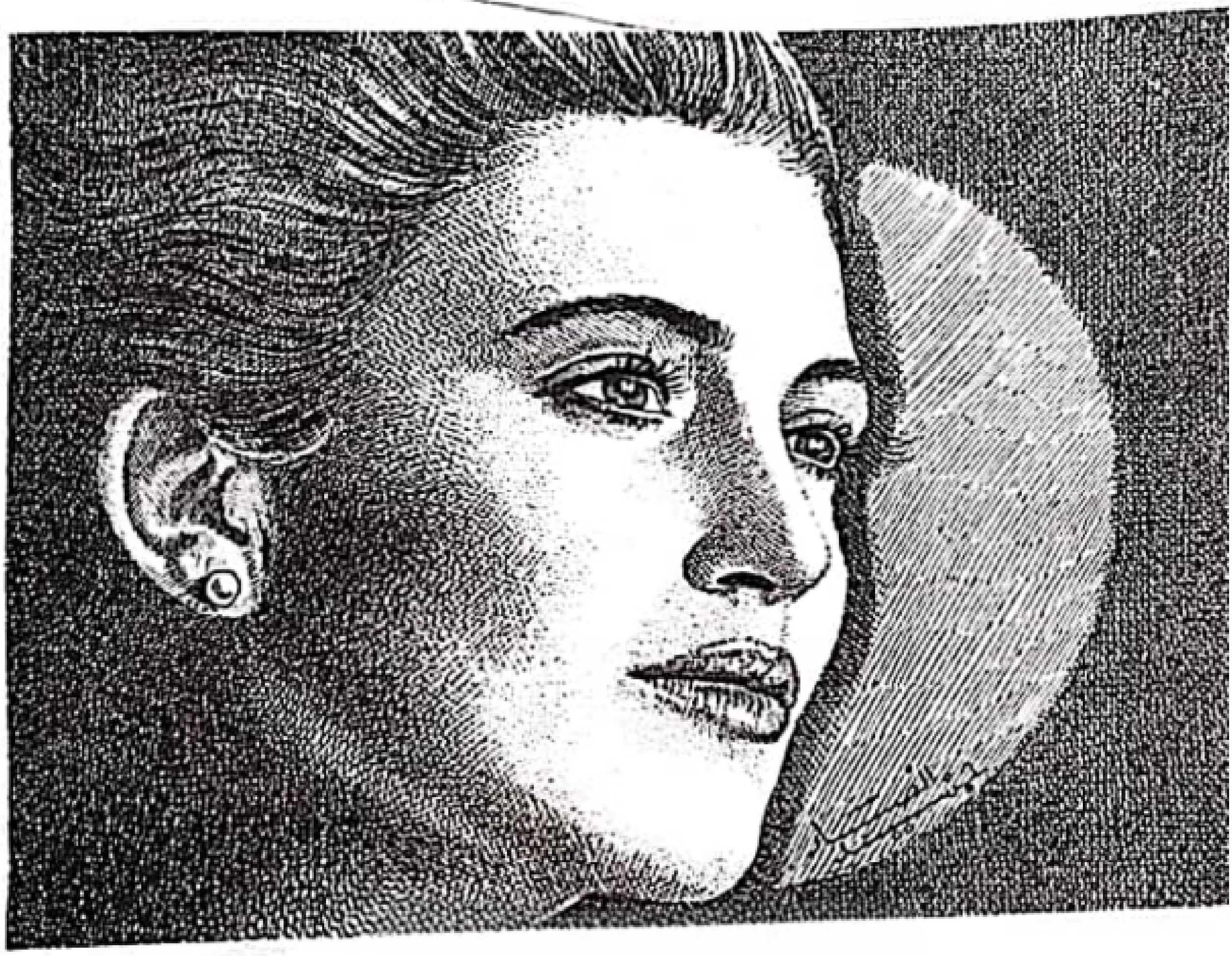

مکمل ناول

شازیہ عطاء

آنگن کا فرش دھو کر اس نے پائپ لگا کر کیاری کو خوب اچھی طرح سیراب کیا۔ بیرونی دیوار کے ساتھ لپٹی ہوئی سفید گلابی پھولوں والی بیل کو پانی کی موٹی سی دھار سے خوب اچھی طرح بھگویا اور مطمئن ہو کر صحن میں وائپر لگانے لگی۔ تبھی بیرونی دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی اور دستک کے مخصوص انداز سے ہی اسے پتا چل گیا کہ آنے والا عمیر ہے۔ وائپر ایک سائیڈ پر رکھ کے اس نے اڑسے ہوئے پائنچے درست کیے اور دروازہ کھول دیا۔ وہ اندر داخل ہوا تو دروازہ بند کر کے وہ اس کے پیچھے آگئی۔

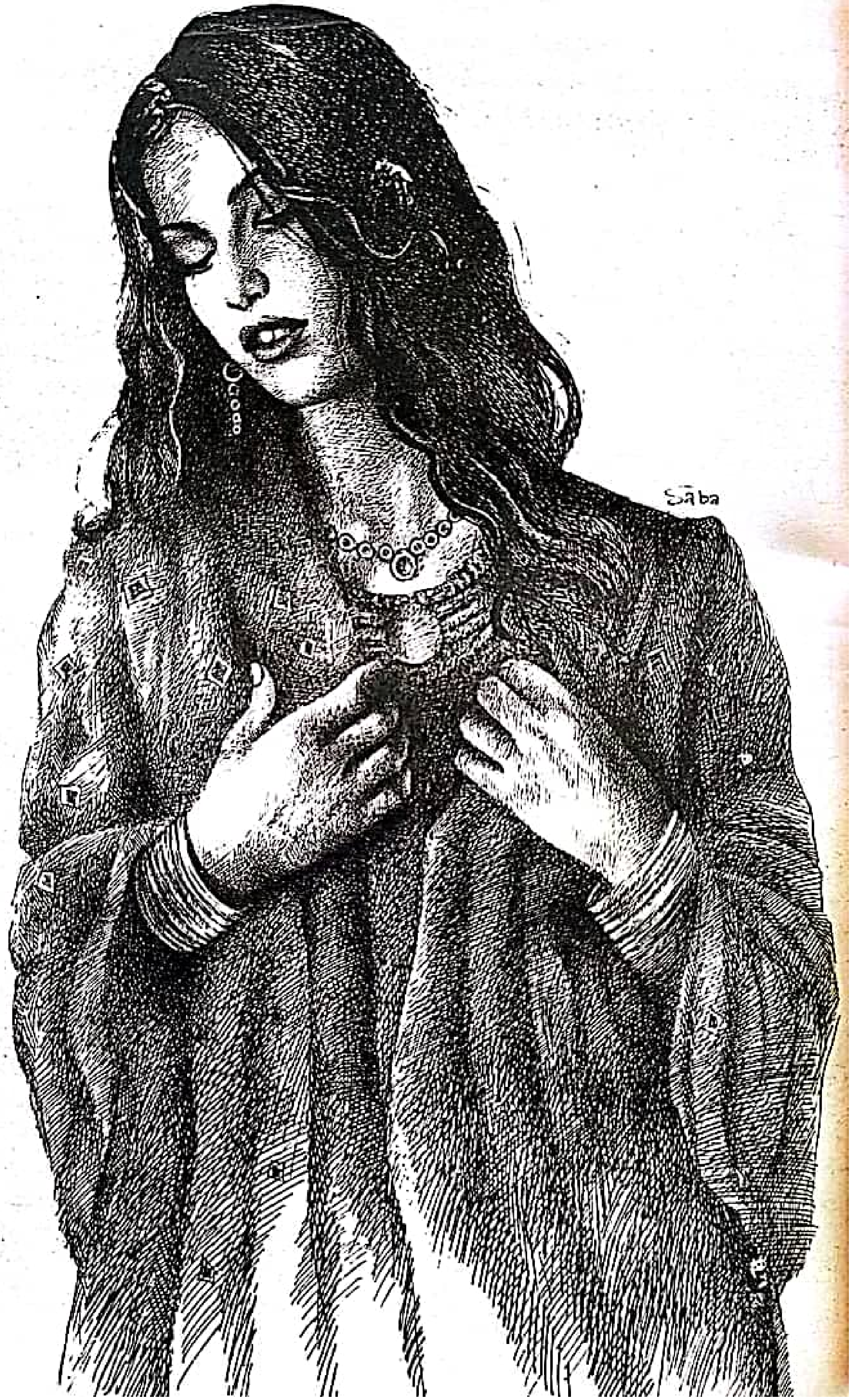

Scanned with CamScanner

اس کے چہرے کی سنجیدگی اور قدموں کی تھکن بتا رہی تھی کہ وہ آج پھر مایوس لوٹا ہے۔ اس کا دل چاہا وہ آگے بڑھے اسے بڑے پیار سے ہمت دلائے حوصلہ دے۔ اس کی تمام تھکن اپنے اندر اتار لے۔ کہ اس کی مایوسی و سنجیدگی اور اس کی تھکن اور ٹوٹتی ہوئی امیدیں اسے بھی دکھی کر دیتی تھیں۔ اسے اس حالت میں دیکھ کر اسے افسوس ہوتا تھا مگر وہ کیا کر سکتی تھی۔ سو دل ہی دل میں اس کی کامیابی کے لیے دعا کرتے ہوئے وہ نل تک آئی۔ اسے اچھی طرح بند کر کے پائپ اتارا' اسے لپیٹ کر ٹھکانے پر رکھا۔ اس اثناء میں وہ سیڑھیوں کے نیچے لگے واش بیسن پر منہ دھو چکا تھا اور اب تولیے سے پونچھ رہا تھا۔

"سب لوگ کدھر ہیں۔ بڑی خاموشی ہو رہی ہے۔" تولیہ اسٹینڈ پر پھیلا کر ہاتھوں سے بال سنوارتے ہوئے اس نے پوچھا۔

"فرحت اور آمنہ تو تائی اماں کے ساتھ پھپھو کی طرف گئی ہیں۔ عفت اور نیلم غالباً سو رہی ہیں۔ عامر ابھی باہر گیا ہے۔" اس نے بڑی تفصیل سے سب کے متعلق "فرداً فرداً" بتایا۔ اور منہ پر پانی کے چھینٹے مارنے لگی۔

"کچھ کھانے کو ہے؟" اس نے برآمدے میں رکھے تخت پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں میں چائے بنانے لگی ہوں۔"

"چائے نہیں' مجھے بھوک لگ رہی ہے۔"

"تم نے ابھی تک کھانا نہیں کھایا۔" اس نے تعجب سے کہا۔ چھ بجنے کو تھے۔

"بس فرصت ہی نہیں ملی۔" وہ وہیں بازوؤں کا تکیہ بنا کر لیٹ گیا۔ تو وہ کچن میں آ گئی۔ قیمہ کریلے بنے ہوئے تھے۔ وہ فریج میں سے آٹا نکال کر روٹی بنانے لگی۔ سالن گرم کرنے تک عفت بھی اٹھ گئی۔

"بھائی! آج آپ بہت دیر سے آئے؟ کہاں چلے گئے تھے؟" وہ منہ دھو کر اس کے پاس آ بیٹھی۔

"روزگار کی تلاش میں!"

"بھائی! کیوں اتنے پریشان ہوتے ہیں۔ اچھا بھلا تو گزارہ ہو رہا ہے۔ پہلے ہی ٹیوشن پڑھا رہے ہیں۔ آپ کی پڑھائی بھی اتنی مشکل ہے۔ کیا ضرورت ہے اتنی محنت کرنے کی۔" عفت جب سے کالج میں گئی تھی' خود کو بہت بڑا سمجھنے لگی تھی۔ کچھ تھی بھی پختہ سوچ رکھنے والی' سمجھدار اور باشعور' اس لیے اپنے سے بڑے بھائی کو بڑے رسان سے سمجھا رہی تھی۔

"تم ابھی بچی ہو ناں' اس لیے کہہ رہی ہو کیا ضرورت ہے پریشان ہونے کی۔" اس نے چھت کو تکتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک تو کہہ رہی ہے عفت!" صبا نے کھانے کی ٹرے اس کے آگے رکھتے ہوئے اپنی بات جاری رکھی۔ "کیا ضرورت ہے اتنی محنت کرنے کی' آرام سے پڑھائی مکمل کرو۔ تھوڑی دیر تو رہ گئی ہے فائنل امتحانوں میں۔ پھر نوکری بھی مل جائے گی۔"

"تم بھی ایسا کہہ رہی ہو۔ کیا تم نہیں جانتیں کہ کتنی ذمہ داریاں ہیں مجھ پر۔"

"میں سب سمجھتی ہوں عمیو! لیکن پہلے پوری توجہ سے پڑھائی مکمل کر لو۔ پھر انشاءاللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

"نہیں صبا! ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھنے سے کچھ نہیں ملتا۔ کوشش اور محنت کے بغیر ثمر کسے ملا ہے۔ اور پھر جس شخص کے پاس بھاری رشوت اور تگڑی سفارش کا بھی فقدان ہو!"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ لیکن اتنی جلدی مایوس ہونا بھی ٹھیک نہیں ہے۔ وہ جو اوپر بیٹھا ہوا ہے ناں۔ اس کی رحمتیں بڑی بے کراں ہیں۔"

صبا آپی ٹھیک کہہ رہی ہیں بھائی۔ خدا ہم پر ضرور مہربان ہو گا۔

لیکن پلیز فی الحال تو آپ کھانا کھائیے۔ ٹھنڈا ہو گیا تو آپی کو دوبارہ گرم کرنا پڑے گا!" اس نے اس کی توجہ کھانے کی طرف مبذول کروائی۔

"میں صبا کے بجائے تم سے گرم کروالوں گا!" اس نے ٹرے اپنے آگے کھسکائی۔

"آہ کتنا اچھا ہوا اگر اس کی نوبت ہی نہ آئے!"

Scanned with CamScanner

عفت نے کچھ اس انداز سے کہا کہ صبا ہنس پڑی اور وہ بھی مسکرا کر کھانا کھانے لگا۔

*_*_*

اس کے فائنل امتحان شروع ہو گئے تھے۔ وہ ایم اے معاشیات کر رہا تھا۔ اچھا خاصا مشکل سبجیکٹ تھا لہٰذا وہ تمام پریشانیاں اور الجھنیں وقتی طور پر پس پشت ڈال کر پوری دلجمعی سے پڑھائی میں مصروف ہو گیا تھا' تائی اماں اور عفت وغیرہ تو اس کا خیال رکھتی ہی تھیں لیکن صبا کا تو جیسے سارا دھیان ہی اس کی طرف رہتا تھا۔ وقت پر کھانا دیتی' راتوں کو اٹھ اٹھ کر تازہ چائے بنا کر دیتی۔ وہ مسلسل دیر تک پڑھتا رہتا تو اس کے پاس جا کر بیٹھ جاتی۔ یا اسے اٹھا کر سب میں لے آتی اور ادھر ادھر کی چھوٹی چھوٹی باتوں میں لگا کر اس کا دھیان بٹانے کی کوشش کرتی۔ تاکہ وہ فریش ہو جائے۔ وہ چاہتی تھی کہ وہ پوری توجہ سے پڑھے خوب محنت کرے اور بہت اچھے نمبروں میں پاس ہو تاکہ اسے کسی اچھی جگہ پر جاب مل جائے اور اس کی تمام پریشانیاں دور ہو جائیں۔

جس روز آخری پرچہ تھا' وہ بے چینی سے اس کا انتظار کر رہی تھی اور جب وہ واپس آیا تو وہ آتے ہی اس سے پوچھنے لگی۔

"کیسا ہوا پیپر۔"

"بہت اچھا!" وہ خاصا مطمئن لگ رہا تھا۔

"واقعی!" وہ خوش ہو گئی۔

"دعا کرو' رزلٹ اچھا آجائے۔" وہ شوز اتارتے ہوئے بولا۔

"ظاہر ہے' تمام پیپر اچھے ہوئے ہیں۔ رزلٹ بھی اچھا ہی آئے گا۔"

"دنیا میں بہت کچھ توقع کے خلاف بھی ہو جاتا ہے صبا جی۔"

"تمہیں تو عادت ہے ہر بات کا منفی پہلو نکالنے کی۔"

"تم اسے حقیقت پسندی بھی کہہ سکتی ہو۔"

"نہیں بیٹا! تم نے اتنی محنت کی ہے پھر بھلا رزلٹ اچھا کیوں نہیں آئے گا!" تائی اماں جو اس تمام عرصے میں خاموشی سے ان کی باتیں سن رہی تھیں بول پڑیں۔

"محنت کرنے والوں کے پیپر بھی بدل دیے جاتے ہیں اماں۔"

"دیکھا تائی اماں۔ میں صحیح کہتی ہوں ناں۔ اس کو عادت ہے منفی پہلو دیکھنے کی۔" اس نے تائید چاہی۔

"نہ بیٹا! ایسے نہ سوچا کر' میری ساری دعائیں تیرے ساتھ ہیں۔"

"بس اماں آپ کی دعاؤں پر ہی تو یقین ہے۔" اس نے اپنا سر ان کی گود میں رکھ کے آنکھیں موند لیں۔ وہ شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگیں۔

*_*_*

تائی اماں تخت پر مشین رکھے عفت کی قمیص سی رہی تھیں۔ اور خاصی تھکی ہوئی لگ رہی تھیں۔

"تائی اماں! صبح سے کام کر رہی ہیں۔ تھوڑا آرام کر لیں اب!" وہ ابو کو دوائی پلا کر ان کے پاس آگئی۔

"نہیں بیٹا! صبح عفت کے کالج میں پارٹی ہے اور اس نے یہی سوٹ پہن کر جانا ہے۔ ویسے بھی کام تو اتنا نہیں ہے۔ بس نظر کمزور ہو گئی ہے۔ دھاگہ ڈالنے میں ہی اتنا وقت لگ جاتا ہے۔"

"آپ کی نظر ایک دم سے ہی کمزور ہو گئی ہے!" اس نے پریشانی سے کہا۔

"کیا کریں بیٹا! پریشانیاں اور سوچیں تھوڑی ہیں ہمارے لیے۔"

کیوں پریشان ہوتی ہیں تائی اماں۔؟

"ارے بٹی! تم نہیں جانتیں' کتنی سوچیں ہیں میرے لیے۔ تین بیٹیاں بیاہنے والی' بیٹے کے مستقبل کا فکر اور پھر لڑکے والوں کے بڑھتے ہوئے مطالبے۔ نجانے کیا بنے گا ہم جیسے بیٹیوں والوں کا۔ یہ تفکرات تو انسان کو گھن کی طرح کھا جاتے ہیں۔"

وہ افسردگی سے کہہ رہی تھیں اور وہ انہیں کیا تسلی دیتی۔ سب کچھ سچ ہی تو تھا۔

*_*_*

Scanned with CamScanner

تایا جی اور اس کے ابو دو ہی بھائی تھے۔ ایک پھوپھو تھیں۔ جو خاصی خوشحال تھیں اور اپنی خوشحالی کے سبب ہی وہ ذرا کم کم ہی ملا کرتی تھیں۔ شاید انہیں یہ خطرہ لاحق تھا کہ ان کے ہونہار سپوت کی نظر ان کی کسی بھتیجی پر نہ ٹک جائے یا شاید ان کا اسٹیٹس انہیں اپنے سے کمتر بھائیوں سے میل ملاپ رکھنے سے باز رکھتا تھا بہر حال جو بھی تھا وہ ان سے بہت کم کم میل جول رکھتی تھیں۔ اور یہاں کون اتنا فارغ بیٹھا تھا جو ان کے متعلق سوچتا۔ متوسط طبقے کے اور تھوڑے بکھیڑے ہوتے ہیں۔

تایا جی اور اس کے ابو دونوں بھائی ریلوے میں ملازم تھے۔ شادی کے بعد سے دونوں خاندان اب تک ایک ہی گھر میں بڑے اتفاق اور محبت سے رہتے آرہے تھے۔ گو کہ ان کو زندگی کی تمام آسائشیں تو میسر نہ تھیں لیکن اتنی تنگ دستی بھی نہ تھی۔ بس گزارہ ہو جاتا تھا۔ صبا کی امی کی وفات تو بہت پہلے ہو چکی تھی۔ اور یہ تائی اماں ہی تھیں جنہوں نے کبھی اپنی اور جٹھانی کی اولاد میں فرق نہیں جانا تھا۔ اور انہیں بہت حد تک ماں کی کمی کا احساس نہیں ہونے دیا تھا۔ صبا سے چھوٹی آمنہ اور پھر عامر تھا۔

تایا ابو کی اچانک موت نے جیسے گھر کے درو دیوار تک ہلا دیے تھے۔ عمیر ہی تو سب سے بڑا تھا۔ اس کے بعد عفت، فرحت اور سلمیٰ تھیں۔ ان کی وفات کے بعد تمام تر ذمہ داریاں عمیر پر آن پڑی تھیں وہ ان کے بعد ایک دم سے ہی بہت سنجیدہ اور مدبر ہو گیا تھا۔ تین جوان ہوتی ہوئی بہنیں اس کی نظر میں تھیں۔ اور اسے ان کی ذمہ داریوں کا بھرپور احساس تھا۔ اس کی ہر ممکن کوشش تھی کہ وہ کسی مقام پر پہنچ جائے اور اپنے تمام فرائض کو اچھے طریقے سے انجام دے سکے۔

--*

سرمئی شام بہت آہستہ آہستہ کائنات پر پھیلا رہی تھی گھر کے تمام افراد معمول کے مطابق اپنی اپنی مصروفیات میں مگن تھے۔ وہ دھلے ہوئے کپڑوں کے ڈھیر کو تہہ کر رہی تھی۔ تمام کپڑے تہہ کر کے اس نے اپنے اپنے ٹھکانے پر رکھے اور باہر آگئی۔ عفت اور تائی اماں باورچی خانے میں مصروف تھیں۔ آمنہ ابو کے پاس بیٹھی تھی۔ باقی سب بھی یہاں وہاں تھے۔ وہ اس وقت بالکل فارغ تھی سو سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آگئی۔ اور عمیر کو وہاں پہلے سے موجود دیکھ کر اسے حیرت ہوئی جانے وہ کب آیا تھا۔ چھت کی پچھلی دیوار سے ٹیک لگائے وہ آسمان کی وسعتوں میں جانے کیا کھوج رہا تھا' قدموں کی آہٹ پر اس نے مڑ کر دیکھا۔

"کیا سوچ رہے ہو۔" صبا قریب چلی آئی۔

"کچھ نہیں!" وہ بدستور آسمان کو دیکھ رہا تھا۔

"کچھ تو سوچ رہے ہو۔"

"جب تم سب سمجھتی ہو تو پھر پوچھتی کیوں ہو۔"

"میں چاہتی ہوں۔ تم اپنے دل کی ہر بات مجھ سے کہہ کر ہلکے پھلکے ہو جایا کرو!" اس نے بہت اپنائیت سے کہا۔

"صرف کہہ دینے سے تو پریشانیاں ختم نہیں ہو جاتیں۔"

"ختم بے شک نہیں ہوتیں۔ لیکن دل کا بوجھ کم ضرور ہو جاتا ہے۔ انسان تھوڑا سا ریلیکس ہو جاتا ہے اور یقیناً" ریلیکس ہو کر پہلے سے بہتر سوچ سکتا ہے!" اس نے اپنی بات کی وضاحت کی۔

"ہونہہ!" وہ طنزیہ مسکرایا۔

"بہر حال میں چاہتی ہوں' تم خوش اور مطمئن نظر آؤ۔ زندگی اتنی بھی بے زار نہیں جتنی تم سمجھتے ہو۔"

"بے کار شخص کے لیے اس سے بھی زیادہ بے زار ہے جتنی تم سمجھ رہی ہو۔"

"دیکھو عمیر! میں مانتی ہوں کہ تم پر بہت سی ذمہ داریاں آن پڑی ہیں۔ تم یقیناً" بے حد حساس ہو جو اپنے فرائض کو اس حد تک محسوس کرتے ہو۔ اور یقیناً" ان فرائض کو پورا کرنے کے لیے تمہیں بہت جدوجہد کرنا پڑے گی۔ لیکن کچھ وقت تو لگے گا نا۔ کم از کم رزلٹ تو آنے دو۔ پلیز اتنا مایوس نہ ہو۔ ذرا سوچو کیا تمہارے پریشان ہونے اور الگ تھلگ رہنے سے

Scanned with CamScanner

تمام مسائل حل ہو جائیں گے۔ کیا کوئی جادوئی قوت مسائل کا حل پلیٹ میں رکھ کر تمہارے روبرو پیش کرے گی۔ جب تم جانتے ہو' ایسا کچھ نہیں ہے تو کیوں خود کو اتنا الجھاتے ہو' تمہارے پریشان رہنے سے تائی اماں کس قدر دکھی ہوتی ہیں۔ بہنوں کی ذمہ داریوں کا لفظ سنتے سنتے عفت' فرحت اور سلیم کی شوخیاں بھی پھیکی پڑنے لگی ہیں۔ تم کیوں ان سب کو وقت سے پہلے بڑا کرنا چاہتے ہو۔

کوشش کرتے رہو لیکن اس کے ساتھ ساتھ سب کو وقت دو مل جل کر ہنسا بولا کرو' سب کو کمپنی دو۔ ہونا تو بالآخر وہی ہے جو قسمت میں لکھ دیا گیا ہے پھر کیا ضرورت ہے بلاوجہ ہلکان ہونے کی۔ تم کیوں نہیں سمجھتے کہ

راحتیں اور بھی ہیں "جاب" کی راحت کے سوا۔"

وہ جو بڑی بردباری اور پوری سنجیدگی سے اسے سمجھا رہی تھی آخری جملہ کہتے کہتے بڑی شریر سی مسکراہٹ اس کے لبوں پر آگئی۔ اور جانے کیا تھا اس صاف شفاف مسکراہٹ میں عمیر کو یوں لگا جیسے یکایک سارا غبار چھٹ گیا ہو۔ یہاں سے وہاں تک ہر چیز پر نکھار آگیا ہو۔

"دیکھو شام کس قدر خوب صورت ہو رہی ہے۔" وہ اس کی بدلتی کیفیت سے بے خبر اس کا دھیان بٹانے کی کوشش میں تھی۔

"ہاں مگر تم سے زیادہ نہیں۔" اس نے مسکرا کر جواب دیا۔ طبیعت میں یکدم ہی بہت بے ساختہ شگفتگی آگئی تھی۔ یہ صبا کے وجود یا پھر اس کی خوب صورت باتوں کا اعجاز تھا کہ وہ ایک دم سے ہلکا پھلکا ہو گیا تھا۔ سارے تفکر وقتی طور پر اڑن چھو ہو گئے تھے۔

ہاں کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کوئی مبہم اشارہ' کوئی مدھم سرگوشی اور ان کہی صدا سماعتوں کو بھلی لگتی ہے۔ کوئی منظر بصارتوں کو اس طرح بھاتا ہے کہ اندر تک کے موسم پل بھر میں بدل جاتے ہیں۔ اور جب انسان کے اندر کے موسم بدل جائیں تو ہر چیز پر نکھار آجاتا ہے۔ ہر شے معنی خیز ہو جاتی ہے۔

وہی شام تھی اور وہی نیلا آسمان تھا۔ ہوا کی نرماہٹیں بھی ویسی ہی تھیں مگر اسے یہ سب کچھ اب اچھا لگ رہا تھا' اس کا دل چاہ رہا تھا وہ اس کے سامنے کھڑی رہے اور وہ اسے دیکھتا جائے یہاں تک کہ عمر تمام ہو جائے۔ وہ اسے ہمیشہ سے ہی اچھی لگتی تھی۔ اور وہ اس کے متعلق ایسے ہی جذبات رکھتی ہے' اس کا بھی اندازہ اسے بہت اچھی طرح تھا دلوں کی وابستگی کب ہوئی تھی۔ یہ تو انہیں بھی نہیں پتا تھا اور نہ ہی انہوں نے اپنے مابین لفظوں کو استعمال کرنے کی کبھی ضرورت محسوس کی تھی۔ نجانے دل میں کب کسی روپہلے جذبے کا بیج پھوٹا تھا اور کب نرم نرم خواہشوں نے پروان چڑھنا شروع کیا تھا۔ بس وہ دونوں اتنا جانتے تھے کہ اک دوجے سے بہت خاص نسبت رکھتے ہیں اتنی خاص کہ اک دوجے کے بغیر ادھورے ادھورے لگتے ہیں اور ان کی تکمیل اک دوجے کی ذات سے وابستہ ہے۔ اور یہ خوب صورت احساس زندگی کی تلخیوں میں کبھی کبھی بڑا شیریں بڑا دلکش محسوس ہوتا تھا۔ جیسے اس وقت سب کچھ بھول کر اس کے ساتھ باتوں میں لگ گیا تھا۔

*_*_*

ابو کی طبیعت بہ خراب رہنے لگی تھی۔ انہیں بہت پہلے سے گردوں کا مرض لاحق تھا۔ اسی تکلیف کے باعث انہیں وقت سے پہلے ریٹائرمنٹ لینا پڑی تھی۔ لیکن اس کے باوجود تکلیف بڑھتی جا رہی تھی۔ حالانکہ مسلسل علاج بھی ہو رہا تھا۔

اس مہنگائی کے دور میں ابو کی دوائیاں اور ان تینوں بہن بھائیوں کی تعلیم کے اخراجات پنشن میں بہت مشکل سے پورے ہوتے تھے۔ صبا چاہتی تھی کہ وہ جلد از جلد ابو کی پریشانیاں بانٹ لے۔ اسی لیے جیسے ہی بی اے کا رزلٹ آیا اس نے دو چار پرائیویٹ اسکولوں میں اپلائی کر دیا۔

وہ پڑھائی میں بے حد اچھی تھی۔ شروع سے ہی

Scanned with CamScanner

کلاس میں فرسٹ پوزیشن لیتی رہی تھی۔ ایف ایس سی اور بی ایس سی میں بھی اس کی نمایاں پوزیشن تھی۔ اس لیے لاہور کے بہترین اسکول میں اسے بہت جلد کال کر لیا گیا تھا۔ چونکہ اسکول بہت معیاری تھا للٰہذا تنخواہ بھی بڑی پرکشش تھی۔

"آپی! آپ کو تو پڑھنے کا بے حد شوق تھا!" شام کو سب ٹی وی کے آگے بیٹھے باتیں کر رہے تھے جب اس کے اپائنٹمنٹ لیٹر کا ذکر آنے پر فرحت نے پوچھا۔

"وہ تو مجھے اب بھی ہے۔"

"لیکن اب تو آپ نے اسکول جوائن کر لیا ہے۔" آمنہ نے افسردگی سے کہا۔ اس کا خیال تھا کہ اب اسے پڑھائی چھوڑنی پڑے گی۔

"تمہیں جاب مل گئی ہے؟" عمیر نے ان کی باتیں سن کر پوچھا۔ وہ اب تک لاعلم تھا۔

"ہاں۔"

"کون سے اسکول میں۔"

"لاہور لاسیوم۔" اس نے بتایا۔

"اسکول تو بہت اچھا ہے۔ لیکن دور ہے اور ویسے بھی تم تو ماسٹر کرنے کے چکر میں تھیں۔"

"وہ تو اب بھی ضرور کروں گی۔ پرائیویٹ طور پر کر لوں گی۔"

"لیکن مشکل نہیں ہو جائے گا!"

"میں بیلنس کر لوں گی۔ آخر کب تک ابو کی پنشن میں گزارہ کریں گے۔" اس نے نوکری کرنے کی اصل وجہ سے پردہ اٹھایا۔

"بس آپا! تھوڑی دیر اور ہے۔ میں کوئی کام سیکھ کر دوبئی وغیرہ جانے کی کوشش کروں گا۔" عامر کو جیسے اس کا پڑھائی چھوڑ کر نوکری کرنا اچھا نہیں لگا تھا۔

"تھوڑی دیر کیوں۔ ابھی تم میٹرک میں ہو۔ بہت وقت پڑا ہے تمہاری تعلیم مکمل ہونے میں۔ اور خبردار جو تم نے کوئی کام سیکھنے یا دوبئی وغیرہ جانے کے بارے میں سوچا۔ تم جانتے ہو ہم نے تمہارے بارے میں کیا خواب دیکھ رکھے ہیں۔ آئندہ ان باتوں کا نام بھی نہیں لینا۔" اس نے اچھی طرح اس کی خبر لی۔

"ہاں عامر! تم صرف اپنی تعلیم پر توجہ دو۔ تم تو جانتے ہو، چچا جان تمہیں ڈاکٹر بنانا چاہتے ہیں۔ یہ وقت گزر گیا تو پھر نہیں آئے گا۔ یہ سب وقتی مشکلات ہیں۔ تمہارے بڑے موجود ہیں ان کا مقابلہ کرنے کے لیے تم صرف پڑھو۔ اور کچھ نہیں سوچو!"

عمیر نے اس کا ہاتھ تھام کر بڑی سنجیدگی مگر رسانیت سے سمجھایا تو وہ چپ کر گیا۔

*_*_*

وہ ابو سے ان کی دوائیوں کے متعلق پوچھ رہی تھی۔ جب عمیر گھر میں داخل ہوا۔

"اماں، اماں کدھر ہیں آپ!" وہ باہر سے ہی پکارتا ہوا آ رہا تھا۔

"کیا بات ہے بیٹا؟ بہت خوش دکھائی دے رہے ہو۔" ابو نے اشتیاق سے پوچھا۔

"چچا جان! میں پاس ہو گیا ہوں بہت اچھے نمبروں سے۔" وہ ان کے پاس آ گیا۔

"ارے واہ! یہ تو بہت خوشی کی بات ہے! شاباش بیٹا!" وہ سچ مچ بہت خوش ہوئے اور وہ جو پاس بیٹھی تھی اس کی تو جیسے ساری دعائیں قبول ہو گئی تھیں۔

"واقعی بھائی؟" عفت باہر آ گئی۔

"تو کیا میں جھوٹ بول رہا ہوں۔" اس نے اس کے سر پر چپت لگائی اور پھر تو جیسے پل کے پل میں سارا گھر اکٹھا ہو گیا تائی اماں تو یہ خوشخبری سن کر فوراً ہی نفل ادا کرنے کے لیے وضو کرنے لگیں۔ اور وہ سب اس کے گرد ہو گئے۔ مبارک سلامت کا شور مچ گیا۔

"بھائی! اس خوشی کو ہم سیلیبریٹ کریں گے!" نیلم نے خوش ہو کر کہا۔

"ارے بھئی، مجھے جاب ملنے دو، پھر اکٹھے ہی سیلیبریٹ کر لینا۔"

"نہیں بھائی! اس وقت بھی کریں گے لیکن اس موقع کو ضائع نہیں کرنا۔ اس گھر میں کبھی کبھار ہی تو خوشی آئی ہے!" فرحت مصر ہو گئی۔

"فرحت ٹھیک کہہ رہی ہے، یہ چھوٹی چھوٹی خوشیاں ہی تو زندگی میں رنگ بھرتی ہیں۔ کیوں ابو! میں

ٹھیک کہہ رہی ہوں ناں!" اس نے ابو سے اپنی بات کی تائید چاہی۔
"ہاں بیٹا! زندگی کا سارا حسن ہی ان چھوٹی چھوٹی خوشیوں کو منعقد کرنے سے اجاگر ہوتا ہے۔ ورنہ تو ہر دن ایک سا اور ہر رات ایک جیسی ہوتی ہے۔" انہوں نے ہاں میں ہاں ملائی۔
"ویری گڈ ابو!" وہ اپنی بھرپور تائید پر خوش ہو گئی۔
"اور آپ بالکل فکر نہ کریں۔ سارا اہتمام ہم لوگ خود ہی کر لیں گے۔" عفت نے گویا اسے تسلی دی۔
"آپ بس اتنا کیجیے گا کہ وقت پر ہمارے ساتھ شامل ہو جائیے گا کیونکہ یہ پارٹی آپ کے آنر میں دی جا رہی ہے!" آمنہ نے ہدایت کی تو اس نے مسکرا کر سر تسلیم خم کر لیا۔
اور اگلی شام بڑی خوب صورت تھی' انہوں نے صبح سے ہی تیاری شروع کر دی تھی۔ فرحت نے کیمرے میں ریل ڈلوالی۔
عامر نے رنگین چمکدار کاغذ کو تراش کر بڑا خوب صورت سا Congratulation to umair لکھ کر دیوار پر چسپاں کر دیا تھا۔ جس سے فرحت بہت خوش تھی کہ تصویروں کا پس منظر بہت اچھا آئے گا۔
برآمدے کا تخت اٹھا کر وہاں بڑی میز پر رکھ دی گئی۔ چائے کے تمام لوازمات انہوں نے گھر پر تیار کیے تھے۔ فرحت اور آمنہ چائے کے برتن ٹیبل پر سجا چکی تھیں۔
تمام کاموں سے فارغ ہو کر صبا نے غسل کیا اور بالوں میں تولیہ لپیٹ کر کمرے میں آئی۔ تیار ہونے سے پہلے اس نے اس کے لیے خریدا ہوا تحفہ نکالا۔ امجد اسلام امجد کی "آنکھوں میں تیرے سپنے" اور اس کا پسندیدہ پرفیوم خوب صورت سے گلابی ریپر میں بڑی مہارت سے پیک کیا۔ اور تیار ہونے لگی۔
فیملی میں سے انہوں نے صرف عمیر کے ماموں کی بیٹیوں حنا اور عائشہ جو کہ عفت' فرحت کی قریبی سہیلیوں میں بھی شمار ہوتی تھیں۔ اور خالہ کے بیٹے فاروق بھائی اور ان کی بیگم صائمہ بھابھی کو بلایا تھا۔
وہ تیار ہو کر آئی تو سب لوگ آچکے تھے۔
فیروزی کڑھائی والے سوٹ اور ہلکے سے میک اپ میں بالوں کو پشت پر کھلا چھوڑے وہ بہت دلکش لگ رہی تھی' عمیر نے بہت سرسری سے انداز میں یونہی بات کرتے کرتے اسے دیکھا تھا لیکن اس کی نظروں کی ستائش نے اس کے چہرے پر بڑے خوب صورت رنگ بکھیر دیے تھے۔
"وِد بیسٹ وشز!" سب نے تحائف دینے شروع کیے تو اس نے بھی اپنا گفٹ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔
"یہ اہتمام تم سب نے ہی تو کیا ہے۔ پھر اس کی کیا ضرورت تھی۔" اس نے یقیناً" تکلف برتنے کی کوشش کی تھی۔
"چھوٹی چھوٹی باتیں کبھی کبھار خوب صورت یادوں میں اضافے کا سبب بن جاتی ہیں!" اس نے دھیرے سے جواب دیا۔
"اوکے تھینک یو!" وہ مسکرایا۔
چائے کا سلسلہ شروع ہوا تو ایک ہنگامہ سا برپا ہو گیا۔ گو کہ گھر ہی کے افراد تھے لیکن اچھی خاصی تقریب کا گماں ہو رہا تھا۔
"خدا کرے تم زندگی کے ہر موڑ پر اسی طرح کامیابیوں سے ہمکنار رہو۔"
عمیر کے چہرے پر خوشی کے عکس دیکھ کر اس نے تہہ دل سے دعا کی۔

*_*_*

وہ صبح کے لیے کپڑے استری کر رہی تھی۔ کہ وہ شرٹ لیے قریب آگیا۔
"اس وقت کہاں کی تیاری ہے؟"
"اس وقت نہیں۔ صبح انٹرویو ہے ایک جگہ' اس کی تیاری ہے۔" اس نے جواب دیا۔
"لاؤ میں پریس کر دوں۔" اس نے اپنے کپڑے کر کے کہا۔
"نہیں رہنے دو۔ میں خود کر لوں گا۔"
"دے دو ناں۔ میں اپنے کر رہی ہوں تمہارے بھی

Scanned with CamScanner

کردوں گی۔ کیا فرق پڑے گا۔" اس نے اصرار کیا۔
"مجبوری ہو تو کسی کا احسان بھی لیا جائے۔ ویسے کیا ضرورت ہے۔"
"تم سمجھتے ہو تمہارا کام کر کے میں تم پر احسان کر دوں گی۔" وہ برا مان کر بولی۔
"نہیں لیکن۔"
"تمہارا کام کر کے مجھے راحت ملتی ہے۔ خوشی ہوتی ہے' یہ بات ہمیشہ یاد رکھنا!" اس نے اس کی شرٹ لیتے ہوئے کہا۔
"لیکن میری عادتیں تو بگڑ جائیں گی ناں۔" وہ تشکر بھری نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے بولا۔
"جو عادتیں بگاڑے گی' وہ سنوار بھی دے گی۔"
اس نے ملائمت سے جواب دیا تو عمیر کے ہونٹوں پر بڑی معنی خیز مسکراہٹ پھیل گئی۔

*_*_*

گھر کی چار دیواری میں بند محدود زندگی گزارنے والی تائی اماں کا خیال تھا کہ جیسے ہی ایم اے کی ڈگری ہاتھ میں آئے گی' اچھی سے اچھی نوکری ان کے ہونہار سپوت کی منتظر ہو گی۔ لیکن سنہری خواب اس وقت ریزہ ریزہ ہو گئے جب رزلٹ آنے کے سال بھر بعد بھی اسے کہیں مناسب جاب نہ مل سکی۔ حالانکہ اس نے فرسٹ پوزیشن حاصل کی تھی۔ شارٹ ہینڈ ٹائپ حتیٰ کہ اب کمپیوٹر تک کا کورس کر چکا تھا۔ لیکن بچانوے فیصد پاکستانیوں کی طرح رشوت اور سفارش نہ ہونے کے سبب مسترد کر دیا جاتا۔
اس کے کئی کلاس فیلوز جو پڑھائی کے لحاظ سے کلاس میں اس سے کہیں پیچھے تھے۔ اس وقت اعلیٰ عہدوں پر فائز تھے۔ محض اس لیے کہ وہ ایم پی اے' ایم این اے کی اولاد یا پھر منسٹرز کے بھانجے بھتیجے تھے۔
ابو نے ایک دو دفعہ اس سے بات کی تھی کہ اگر وہ راضی ہو تو وہ اپنے کسی جاننے والے سے کہہ کر اس کے لیے ریلوے کی ملازمت کی کوشش کریں۔ آج تایا ابو اور ان کی تمام عمر کی ملازمت کے باعث اتنا حق تو بنتا تھا کہ ان کے بیٹے کو وہاں نوکری مل جائے۔ لیکن وہ خود اس پر ہرگز آمادہ نہ تھا۔ یہ نوکری اس کے خوابوں سے' اس کے عزائم سے مماثلت نہ رکھتی تھی۔ وہ تمام عمر ابو اور چچا کی طرح ٹرین کی چھک چھک سنتے نہیں گزارنا چاہتا تھا۔ اور من پسند نوکری جیسے ابھی اس کے نصیب میں نہ تھی۔

*_*_*

رات کو کپڑے استری کر کے رکھنے سے اتنا تو فائدہ ہو جاتا تھا کہ صبح آنکھ اگر دیر سے بھی کھلے تو زیادہ پریشانی نہیں اٹھانی پڑتی۔ اس کے ساتھ بھی آج یہی ہوا تھا۔ صبح جاگنے میں ذرا تاخیر ہو گئی تھی لیکن شکر تھا کہ کپڑے تیار تھے۔ وہ جلدی جلدی بال سلجھانے لگی۔
"لیٹ ہو گئی ہو۔" اس کے چوٹی گوندھنے کی رفتار دیکھ کر عمیر نے پوچھا۔
"ہاں دعا کرو' وین جلدی مل جائے۔" اس کے ہاتھ مسلسل متحرک تھے۔
"اگر میری دعاؤں میں اثر ہوتا تو تم کم از کم اس وقت میری موٹر سائیکل پر اسکول جا رہی ہوتیں۔ ویسے بھی میں دعاؤں سے زیادہ عمل پر یقین رکھتا ہوں۔"
"انسان کا عقیدہ مضبوط ہونا چاہیے۔ عمل کی کامیابی و ناکامی کا انحصار بھی دعاؤں پر ہی ہوتا ہے' اگر ایسا نہ ہوتا تو لوگ ہاتھ اٹھانا ہی بھول چکے ہوتے۔"
وہ جتنی تیزی سے تیاری کر رہی تھی' اتنی ہی تیزی سے جواب دے کر بیرونی دروازے کی طرف لپکی' وہ اس کے عجلت بھرے انداز پر مسکرا کر رہ گیا۔

*_*_*

مسلسل تگ و دو کے بعد قسمت اس پر مہربان ہو ہی گئی تھی۔ اپنے ایک دیرینہ اور عزیز دوست کے سبب ایک ایم این اے تک اس کی رسائی ہو گئی تھی۔ اور اسی کے توسط سے اسے بینک میں جاب مل گئی تھی۔ گو کہ اس ویکنسی کے سینکڑوں امیدوار تھے لیکن اس کے ٹیلنٹ اور اس کے رزلٹ کو دیکھتے ہوئے ایم این اے نے اس کے لئے سفارش کرنے کو ترجیح دی تھی۔
گھر بھر میں جیسے خوشی کی لہر دوڑ گئی تھی۔ وہ خود بھی کتنا مطمئن اور ہشاش بشاش رہتا تھا۔ لیکن دادی قسمت

Scanned with CamScanner

ابھی وہ جی بھر کر خوش بھی نہ ہو سکا تھا کہ صدر نے اسمبلی توڑ دی۔ قائم مقام صدر نے اپنا عہدہ سنبھال لیا۔ اور اسی رات ٹی وی ریڈیو پر خطاب کرتے ہوئے نگران حکومت نے پورے تین ماہ بعد نئے الیکشن کا اعلان کر دیا۔

الیکشن ہوئے تو دوسری پارٹی حکومت میں آ گئی۔ اور اپنی ذمہ داریاں سنبھالتے ہی انہوں نے جو پہلا کام کیا۔ وہ سابقہ دور حکومت میں بھرتی ہونے والے ملازمین کی برطرفی کا حکم تھا اور اس برطرفی سے جہاں اور سینکڑوں نوجوان بری طرح متاثر ہوئے تھے وہاں ایک وہ بھی تھا سابقہ حکومت کے ارکان نے اپوزیشن بنچوں پر بیٹھے ہوئے صدائے احتجاج بلند کی تھی۔ لیکن سب لاحاصل ثابت ہوا' اور انہیں فارغ کر کے گھروں میں بھیج دیا گیا۔

*_*_*

وہ گھر آئی تو سعیدہ خالہ آئی بیٹھی تھیں۔ ننھیالی رشتے داروں میں ایک خالہ ہی تو تھیں جن میں امی کی شباہت نظر آتی تھی' ان کے وجود سے اٹھتی محبت کی خوشبو اسے امی کی موجودگی کا احساس دلاتی تھی اس لئے وہ انہیں دیکھ کر کھل جاتی تھی۔ وہ بھی تو ان دونوں بہنوں اور عامر سے بہت محبت کرتی تھیں۔ جس سے انہیں طمانیت کا احساس ہوتا تھا کہ ان کا بھی امی کی طرف سے کوئی اپنا ہے ورنہ دونوں ماموں تو عید بقر عید پر بھی کبھی کبھار ہی شکل دکھاتے تھے۔

"کیسی ہیں خالہ آپ؟ بڑے دنوں بعد آئیں۔" وہ ان سے مل کر وہیں بیٹھ گئی۔

"میں ٹھیک ہوں بیٹا تم نے نوکری کر لی۔"

"جی خالہ! گھر بیٹھ کر کیا کرنا تھا پھر ہم جیسی لڑکیوں کو ضرورت بھی ہوتی ہے۔"

"رابعہ بھی پر تول رہی ہے آج کل ٹیچنگ کے لئے۔" انہوں نے اپنی دوسری بیٹی کے متعلق بتایا۔

"تو کرنے دیں ناں خالہ!" اس نے اس کی حمایت کی۔

"تمہارے خالو نہیں مانتے' وہ جلد از جلد لڑکیوں کو ان کے گھر بھیجنا چاہتے ہیں لیکن رشتوں کے کیسے کیسے مسئلے ہیں۔ یہ کوئی ہم بیٹیوں والوں سے پوچھے لوگوں کے مطالبات سن کر ہوش اڑنے لگتے ہیں۔"

خالہ بیچاری جب بھی زیادہ پریشان ہوتی تھیں' دکھ سکھ کرنے اس کے پاس آ جاتی تھیں۔ ان کی اوپر تلے پانچ بیٹیاں تھیں' بیٹا کوئی نہیں تھا' خالو کی ہارڈ ویئر کی چھوٹی سی دوکان تھی۔ اس مہنگائی کے دور میں جوان بیٹیوں کے بوجھ نے انہیں پریشان کر رکھا تھا اسے ماموؤں پر بہت افسوس ہوتا تھا' بڑے ماموں کے دو اور چھوٹے ماموں کا ایک بیٹا تھا' لیکن انہیں کبھی خیال نہیں آیا تھا کہ بہن کا بوجھ ہلکا کر دیں حالانکہ ان کی بیٹیاں خوش شکل اور سلیقہ مند تھیں لیکن شاید ان کی بیویوں کی ڈیمانڈ پر پوری نہیں اترتی تھیں۔

"فکر نہ کیا کرو سعیدہ! آج کل گھر گھر یہی مسئلہ ہے۔" تائی اماں نے انہیں تسلی دی' اور صبا بیٹی! تم باتیں کرتی رہو گی۔ جاؤ کپڑے بدلو' تمہاری خالہ کو بھوک لگ رہی ہوگی" انہوں نے صبا کو مخاطب کیا۔

"ارے خالہ! آپ نے اب تک کھانا نہیں کھایا۔" اس نے تعجب سے پوچھا۔

"عفت نے تو بہت کہا لیکن یہ تمہارے آنے کا انتظار کر رہی تھیں" تائی اماں نے بتایا۔

"چلیں پھر میں ابھی کپڑے بدل کر آتی ہوں یہ آمنہ کدھر ہے۔" اس نے پلٹ کر تائی اماں سے پوچھا۔

"وہ' روبی اور نیلم کمرے میں گھسی اک دوجے کو نجانے کون سے قصے سنا رہی ہیں۔" انہوں نے بتایا۔

"اچھا روبی بھی آئی ہے' مجھے پتا ہی نہیں۔" اسے خوشگوار سی حیرت ہوئی اور وہ ادھر ہی آ گئی' روبی سے مل کر اس نے آمنہ کو کھانا گرم کرنے کو کہا اور خود کپڑے بدلنے لگی۔

*_*_*

اس دن اسکول سے واپس آ کر اس نے واشنگ مشین لگائی تھی اور گھر بھر کے کپڑے دھو ڈالے تھے اور اب نہا کر اندر آئی تو شدید تھکن کا احساس ہو رہا تھا' اس کا ارادہ کچھ دیر سونے کا تھا۔ ابو اپنے مخصوص پلنگ پر لیٹے تھے۔ وہ تکیہ لے کر نیچے چٹائی پر لیٹ گئی۔

Scanned with CamScanner

"ابو! آپ نے دوائی لی۔" اسے معاً خیال آیا۔
"ہاں، آمنہ دے گئی تھی۔" انہوں نے آہستگی سے کہا۔
"آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے ابو۔" ان کے بجھے بجھے سے لہجے پر اس نے استفسار کیا۔
"ہاں۔" جواب بے حد مختصر تھا وہ بہت چپ چپ اور آزردہ لگ رہے تھے۔
"کیا بات ہے ابو؟" وہ اٹھ کر ان کے پاس آ گئی۔
"کچھ نہیں تم آرام کرو۔" انہوں نے ٹالنے کی کوشش کی۔
"نہیں۔ آپ مجھے پریشان لگ رہے ہیں، بتائیں ناں پلیز کیا بات ہے۔" اس نے اصرار کیا۔
"اولاد کی ذمہ داریاں باپ اٹھاتے ہیں اور میں نے تم پر بوجھ ڈال رکھا ہے، زندگی، موت کا کوئی بھروسا نہیں، اور میں تو ویسے بھی بیمار ہوں، سوچتا ہوں جوان بیٹیوں کو کس کے آسرے پر چھوڑ کر جاؤں گا۔" انہوں نے بڑی آزردگی سے اپنے دل کی بات کہی۔
"کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ ابو۔" اس کے دل کو کچھ ہونے لگا۔
"دیکھو بیٹی! تم بڑی ہو، میرے بعد عامر اور آمنہ کی ذمہ داری تم پر ہی ہوگی میں جانتا ہوں تم بہت سمجھدار اور حساس ہو، لیکن پھر بھی میں درخواست کرتا ہوں کہ اپنے چھوٹے بہن بھائی کا خیال رکھنا اور جو ہو سکے تو مجھے معاف کر دینا۔ میں تمہارے لئے کچھ نہیں کر سکا۔" ان کا لہجہ بھیگنے لگا تو اس کی آنکھوں سے آنسو ٹوٹ ٹوٹ کر گرنے لگے۔ کتنی سوچیں پال رکھی تھیں انہوں نے۔
"خدا آپ کا سایہ ہمیشہ ہمارے سروں پر قائم رکھے۔ لیکن پھر بھی ابو! آپ کی تسلی کے لئے میں آپ سے وعدہ کرتی ہوں کہ زندگی کے ہر موڑ پر آمنہ اور عامر کا خیال خود سے بڑھ کر رکھوں گی۔ آپ ان کی بالکل فکر نہ کریں، مجھے بھی ان سے اتنی ہی محبت ہے جتنی آپ کو ہے۔" اس نے پوری سچائی سے کہا۔
"مجھے تم سے یہی امید تھی، خدا تمہارے نصیب اچھے کرے۔" انہوں نے شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا تو اس کے اندر تک سکون کی لہریں سرایت کر گئیں۔

--*

اس روز ہفتہ وار تعطیل تھی وہ خلاف معمول کچھ دیر سے جاگی تھی۔ باہر آئی تو عفت آمنہ کے ساتھ مل کر صفائی کر چکی تھی۔ اور سلیم ڈسٹنگ کر رہی تھی۔
سردیوں کی کچی نرم دھوپ ان کے وسیع و عریض صحن میں اتر آئی تھی۔ ابو صحن میں کرسی بچھائے اخبار پڑھ رہے تھے۔ ان سے قدرے فاصلے پر کیاری کے قریب عمیر بھی اخبار دیکھ رہا تھا۔
"بہت دیر سے اٹھیں۔ طبیعت تو ٹھیک ہے۔" تائی اماں مٹر چھیل رہی تھیں۔ اسے دیکھ کر انہوں نے فکرمندی سے پوچھا۔
"ہاں ٹھیک ہے بس رات کو نیند دیر سے آئی تھی۔" انہیں جواب دے کر اس نے منہ ہاتھ دھویا اور کچن میں آ گئی۔
"تم جاؤ، میں کھانا بناتی ہوں" چائے کا پانی رکھتے ہوئے اس نے فرحت سے کہا جو آٹا گوندھ رہی تھی۔
"آپ پہلے ناشتا تو کر لیں۔"
"ہاں، ناشتے کے بعد ہی بناؤں گی، تب تک تائی اماں سبزی بنا لیں گی۔"
"چائے بناتے ہوئے اس نے کھڑکی سے باہر عمیر کو دیکھا وہ بہت مضمحل اور مایوس سا لگ رہا تھا تمام اخبار پر اک بے زاری نظر ڈال کر اس نے اسے رول کر کے ٹھوڑی کے نیچے ٹکایا اور آنکھیں موند لیں، مسلسل بے کاری اور مایوسی نے اسے ذہنی و جسمانی طور پر بری طرح تھکا ڈالا تھا۔ جگہ جگہ "نو ویکنسی" کے بورڈ نے اسے چڑچڑا بنا دیا تھا۔ اسے اچھی طرح یاد تھا ان حالات سے قبل اسٹوڈنٹ لائف میں وہ کتنا پرجوش اور پر عزم اور زندہ دل ہوتا تھا۔ لیکن تایا ابو کی وفات نے تو اسے بدل ہی ڈالا تھا۔
"کیا سوچ رہے ہو عمیر؟" ناشتا کر کے وہ اس کے پاس آ گئی۔
"کچھ نہیں۔" اس نے آنکھیں کھولیں۔
"بہت اپ سیٹ رہتے ہو آج کل۔" وہ اس کی

کرسی کے قریب نیچے گھاس پر بیٹھ گئی۔ بہار کی آمد تھی اور کیاری پر خوب رنگ آیا ہوا تھا گلاب کے جھنڈ میں بے شمار کلیاں پھول بننے کو تھیں بڑی خوبصورت مہک یہاں سے وہاں تک پھیلی ہوئی تھی لیکن وہ تو جیسے ہر بات سے بے خبر تھا۔

"بے کار شخص اس کے سوا کر بھی کیا سکتا ہے۔"

"صرف تمہارے ساتھ ہی تو ایسا نہیں ہے۔ آج کے دور میں ہر کوئی ٹینشن میں ہے' ہر گھر میں ہی مسائل ہیں مگر اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ انسان بالکل ہی مایوس ہو جائے۔ منفی سوچیں اور ہر وقت کی ناامیدی انسان کو ذہنی طور پر مفلوج کر دیتی ہے۔ فارغ رہو گے تو ہر وقت یہی کچھ سوچتے رہو گے۔ ان سوچوں سے بچنے کے لئے کوئی مصروفیت ڈھونڈنی چاہیے۔" وہ بڑی ملائمت سے کہہ رہی تھی۔ لیکن اس کی جیسے دکھتی رگ پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔

"تو کیا آلو چھولے بیچنا شروع کر دوں؟" وہ پہلے ہی بے زار بیٹھا تھا اس کے مشورے پر اور چڑ گیا۔

"ہاں تو اس میں کیا حرج ہے۔ میں بنا دیا کروں گی۔ تم بیچ دیا کرنا' اچھی خاصی آمدنی ہو جائے گی۔" اس کا موڈ ٹھیک کرنے کو وہ شرارت سے بولی لیکن اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تک نہ آئی تو وہ بھی سنجیدہ ہو گئی۔

"دراصل تمہارا بھی مسئلہ آج کے نوے فیصد ڈگری ہولڈرز والا ہے۔ تم ایک ہی جست میں تمام منزلیں طے کرنا چاہتے ہو تم سمجھتے ہو کہ چونکہ تم ماسٹرز ڈگری لے چکے ہو لہٰذا کلرکی تمہارا معیار نہیں ہے تم چاہتے ہو سجے سجائے فرنشڈ اے سی والے آفس میں افسری کی سیٹ تمہاری منتظر ہو۔ گاڑی بنگلہ تمہیں پلیٹ میں رکھ کر مل جائے ہم بلندی پر تو پہنچنا چاہتے ہو لیکن پہلی سیڑھی پر قدم نہیں رکھنا چاہتے حالانکہ کسی بھی منزل پر پہنچنے کے لیے پہلا قدم تو اٹھانا پڑتا ہے۔"

اس کے دھیمے لہجے میں بڑی رسانیت اور اپنا پن تھا۔ وہ بڑے غور سے اس کی باتیں سن رہا تھا۔

"تم کیا سمجھتی ہو نوکریاں میرے ارد گرد پڑی ہیں۔ میں خود ہی نہیں کر رہا۔" اس نے تعجب سے پوچھا۔

"میں ایسا نہیں سمجھتی۔ لیکن اتنا ضرور جانتی ہوں کہ تم کچھ اور بھی تو کر سکتے ہو۔"

"کیا کروں؟" اس نے اسی سے مشورہ مانگا۔

"سب سے پہلے تو یہ خود ترسی کا چولا اتار پھینکو پھر کوئی مصروفیت ڈھونڈو۔ کیا کوئی پرائیویٹ جاب بھی نہیں مل سکتی۔ یہ تمہاری منزل تو نہیں لیکن وقتی طور پر ہی سہی اور اگر وہ بھی نہیں تو ٹیوشن ہی پڑھانا شروع کر دو۔ آخر پہلے بھی تو پڑھاتے تھے۔ اور کچھ نہیں تو ذاتی اخراجات تو پورے ہو ہی جاتے ہیں۔"

اس نے بڑے خلوص سے مشورہ دیا۔ اور اس کے چہرے کے تاثرات بتا رہے تھے کہ صبا کی باتوں کا اس پر خاطر خواہ اثر ہو رہا ہے اور ایسا تو ہمیشہ ہی ہوتا تھا اس کی کہی ہوئی ہر بات اس کے دل میں اتر جاتی تھی۔ اور وقتی طور پر ساری پریشانیاں دھندلی پڑ جاتی تھیں۔

*_*_*

اس رات ابو کی طبیعت اچانک ہی بگڑ گئی تھی۔ عمیر انہیں فوراً ہسپتال لے گیا تھا عامر اس کے ہمراہ تھا' صبا نے بہت کہا تھا کہ وہ بھی ساتھ جائے گی لیکن عمیر نہیں مانا تھا۔

"دیکھو میں وہاں جاتے ہی فون کر دوں گا۔ تم لوگ گھر میں رہ کر ان کی سلامتی کی دعا کرو۔ رات کے وقت تمہارا جانا ٹھیک نہیں اگر خدانخواستہ طبیعت نہ سنبھلی تو صبح آ جانا' اس وقت تم آمنہ کو سنبھالو' اور خدا سے دعا کرو' انشاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا' بالکل فکر نہیں کرنا ہم دونوں ہیں ناں ان کے ساتھ۔"

وہ اسے دلاسا دے کر چلا گیا تھا' آمنہ تو مسلسل روئے جا رہی تھی۔ تائی اماں اور عفت وغیرہ خود بھی پریشان تھیں لیکن انہیں برابر حوصلہ دے رہی تھیں لیکن اس کا دل کسی تسلی سے نہیں بہل رہا تھا۔ ابو کی چند روز پہلے کی باتیں یاد آ رہی تھیں اور دل بیٹھا جا رہا تھا' اور جب دل کی بے کلی بے چینی حد سے بڑھ گئی تو وہ وضو کر کے مصلے پر بیٹھ گئی۔ اور بارگاہ الٰہی میں نجانے کب تک گڑگڑاتی رہی۔

دو دن ہسپتال رہنے کے بعد ابو دنیا سے ناتا توڑ گئے۔ ان کے دونوں گردے ناکارہ ہو گئے تھے۔ ڈاکٹرز نے کہا تھا کہ۔

Scanned with CamScanner

Dialesis کروالیں۔ لیکن ایک تو وہ بہت مہنگا تھا، دوسرے بعد میں مستقل کرواتے رہنا پڑتا ہے۔ اور وہ بھلا اتنے اخراجات کہاں سے پورے کرسکتے تھے۔ اور یوں وہ ہمیشہ کے لئے انہیں تنہا چھوڑ گئے تھے۔

اس نے صرف ایمبولینس کی آواز سنی تھی۔ اور اس کے بعد ہوش ہی نہ رہا تھا اور جب ہوش آیا تو اس کے سر سے سائبان اٹھ چکا تھا۔

اور پھر تو جیسے اس کی دنیا ہی بدل گئی تھی۔ کتنا کٹھن موڑ آگیا تھا زندگی میں، وہ جو اسے مایوسیوں سے نکالتی تھی امید دلاتی تھی نئی راہیں دکھاتی تھی اب خود تھک گئی تھی۔ جو دوسروں کو حوصلے دلاتی تھی اب خود حوصلہ ہار گئی تھی۔ گو کہ ابو بہت عرصے سے بیمار تھے لیکن اسے اب احساس ہوا تھا کہ ان کا نحیف و ناتواں وجود پلنگ پر لیٹے لیٹے بھی اس کے لئے کس قدر اہم اور ضروری تھا کتنا بڑا سہارا تھا اور اب کیسے تنہا ہو کر رہ گئی تھی وہ۔

حالانکہ سبھی تھے، تائی اماں بے حد محبت کرنے والی تھیں۔ عفت، فرحت اور نیلم ان تینوں کا بے حد خیال رکھتی تھیں اور پھر سب سے بڑھ کر وہ تھا جو نجانے کب کا دل کا مکین بن چکا تھا۔ وہ اسے کہاں پریشان اور دکھی دیکھ سکتا تھا، لیکن جو دکھ خدا نے اس کی قسمت میں لکھ دیا تھا۔ وہ اتنی جلدی کہاں پھیکا پڑنے والا تھا، اس دن بھی چھت پر تھی۔ منڈیر پر کہنیاں ٹکائے وہ کسی گہری سوچ میں گم تھی کہ محسوس ہوا کوئی آہستگی سے قدم اٹھاتا اس کے قریب آن کھڑا ہوا ہے۔ اس نے ذرا سی گردن گھما کر دیکھا کاٹن کے سفید شلوار کرتے میں ملبوس وہ بڑی گہری نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"کیا سوچ رہی ہو؟۔"

"میں کیا سوچوں گی؟۔"

"تو یہاں پر تنہا کیوں کھڑی ہو۔"

"جنہیں خدا نے تنہا کردیا ہو، وہ تنہا ہی رہیں گے۔"

اس کی آواز ہزار ضبط کے باوجود بھیگ گئی۔

"صبا! تم خود کو تنہا سمجھتی ہو۔" اس نے بے حد تعجب سے پوچھا مگر وہ چپ رہی، چند لمحوں کے توقف کے بعد وہ پھر کہنے لگا۔

"مجھے افسوس ہوا یہ جان کر کیا ہم سب تمہارے نہیں ہیں۔ اماں عفت، فرحت، نیلم اور پھر سب سے بڑھ کر میں، کیا ہم سب غیر ہیں یا تمہیں ہمارے خلوص، ہماری محبتوں پر شک ہے، پلیز آئندہ کبھی ایسی بات مت کہنا۔

تم بڑی ہو، آمنہ اور عامر ابھی چھوٹے ہیں۔ تم ہی ان کا سہارا ہو، انہیں اس حادثے سے سنبھلنے کے لئے تمہاری توجہ اور شفقت کی ضرورت ہے۔ اگر تم ہمت ہار دوگی تو انہیں کون دیکھے گا زندگی صرف اپنے لئے جینے کا نام نہیں ہے۔ خدا اپنے نیک اور پسندیدہ بندوں کو آزمائش میں ڈالتا ہے۔ پلیز خود کو سنبھالو ہم سب تمہارے ساتھ ہیں زندگی کے ہر کٹھن مرحلے پر، ہر مشکل گھڑی میں تمہیں جب بھی میری ضرورت ہو بلا جھجک کہہ دینا۔ تمہاری مدد کرنا یا تمہارے کام آنا میرا فرض ہی نہیں بلکہ ایسا کرنے سے مجھے بے حد خوشی بھی ہوگی۔"

وہ کتنی اپنائیت سے اس کا درد کم کرنے کی سعی کررہا تھا۔ کتنا خلوص تھا اس کی بے ریا صاف شفاف آنکھوں میں، اس کا ٹھہرا ٹھہرا سنجیدہ مگر بے حد شیریں لہجہ سماعتوں سے ہوتا ہوا دل کی اتھاہ گہرائیوں میں سرایت کررہا تھا، یکدم ہی اسے احساس ہوا کہ وہ اکیلی تو نہیں ہے اس کے اردگرد تو اس کے اپنے ہیں بے حد اپنے، کتنا احساس تحفظ سرایت کرگیا تھا اس کی ذات میں اور اس مضبوط احساس نے اس کے اندر کی تمام تر مایوسیوں اور اداسیوں کی شدت کو قدرے پھیکا کر ڈالا۔ اور وہ پھر سے زندگی کی لگی بندھی روٹین کی طرف لوٹ آئی۔

*_*_*

عفت کو کچھ لوگ دیکھنے آئے تھے گو کہ ابھی اس نے پچھلے دنوں ہی ایف اے کا امتحان پاس کیا تھا لیکن تائی اماں ابھی سے اس کے لئے رشتے ڈھونڈنا شروع ہوگئی تھیں۔ وہ جانتی تھیں۔ آج کے دور میں اچھے رشتے کس قدر مشکل سے ملتے ہیں۔ اور جو لڑکی کی مناسب عمر نکل جائے تو پھر تو کوئی جھانکتا بھی نہیں۔ اور پھر ان

Scanned with CamScanner

کا تعلق تو متوسط طبقے سے تھا جہاں سے بہت زیادہ جہیز ملنے کے بھی آثار نہ تھے۔ اسی لئے وہ ڈرتی تھیں کہ مناسب رشتہ ڈھونڈتے ڈھونڈتے نجانے کتنا عرصہ لگ جائے۔ اپنی تمام ملنے جلنے والیوں سے کہہ رکھا تھا کہ اگر کوئی شریف لڑکا نظر میں ہو تو انہیں بتادیں۔ اور اب یہ رشتہ ان کی ایک ملنے والی کے توسط سے ہی آیا تھا۔

وہ لوگ آگئے تو صبا تائی اماں کی ہدایت کے مطابق چائے بنانے لگی عمیر ابھی ابھی باہر سے آیا تھا۔

"کچھ اور تو نہیں منگوانا۔" اس نے سموسوں والا لفافہ اور کچھ بیکری کا سامان اسے دیتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں، بس یہی بہت ہے۔"

"کیسے لوگ ہیں؟" وہ پیڑھی کھینچ کر وہیں بیٹھ گیا۔

"پتا نہیں میں تو اندر گئی نہیں۔" وہ بسکٹ پلیٹ میں رکھتے ہوئے بولی۔

"چائے لے کر تم جاؤ گی۔"

"نہیں۔ تائی اماں نے منع کیا ہے۔ عفت کے علاوہ کوئی بھی لڑکی نہیں جائے گی۔"

"اچھی بات ہے۔ تم تو بالکل ایسے ویسے لوگوں کے سامنے نہیں جایا کرو۔" اس نے ذرا دھونس سے کہا۔

"کیوں۔۔۔؟" اس نے کیک کے پیس پلیٹ میں سجاتے ہوئے تعجب سے پوچھا۔

"بھئی اگر کسی کو پسند آگئیں تو کوئی لینے آجائے گا۔" اس نے وجہ بتائی۔

"ایک دن تو ہر لڑکی کو جانا ہوتا ہے۔" وہ سنجیدگی سے بولی۔

"کیا تم سچ مچ جانا چاہتی ہو۔"

"کیا تم روکنا چاہتے ہو۔" وہ جانے کیا اگلوانا چاہتی تھی۔

"میں کیا کیا چاہتا ہوں اگر تم جان لو تو۔۔۔"

"صبا! ابھی تک چائے نہیں بنی۔" تائی اماں کی آواز پر وہ دونوں چونک گئے۔

"بس بن گئی تائی اماں، میں آپ سے کہنے ہی والی تھی۔"

"تم بھیجتی ہوں عفت کو۔ جلدی فارغ کرو ان کو۔"

"کیسے لوگ ہیں اماں۔" ان کے بے زار سے لہجے پر عمیر نے پوچھا۔

"بہت لالچی اور نودولتیے سے ہیں۔ جب سے آئے ہیں پہلی دونوں بہوؤں کے خاندان اور جہیز کی باتیں کیے جارہے ہیں۔"

انہوں نے افسردگی سے بتایا تو عمیر کو غصہ آگیا۔

"تو دفع کریں ان کو کیا ضرورت ہے چائے وائے پلانے کی۔ ہم کون سا ایسے لوگوں کے ہاں رشتہ جوڑنا چاہتے ہیں۔"

"نہ بیٹا! رشتے ناتے نصیبوں سے ہوتے ہیں۔ گھر آئے مہمانوں کو یوں سوکھے منہ تو نہیں نکالا جاتا، انسان ایسی ہی چھوٹی چھوٹی باتوں سے پہچانا جاتا ہے۔ وہ لوگ گھٹیا ہیں ہم تو نہیں پھر کیا ضرورت ہے ان سے اس طرح کا سلوک کرنے کی۔"

انہوں نے دھیمے لہجے میں سمجھایا۔ اور واپس مہمانوں کے پاس چلی گئیں۔ مگر وہ مسلسل بڑبڑاتا رہا۔

اور پھر وہی ایک کیا اور بھی بہت سے لوگ یکے بعد دیگرے آئے لیکن گھر کے حالات دیکھ کر کسی نے بھی دوبارہ ادھر کا رخ نہ کیا۔ آنے والے سب سے پہلے تو یہ پوچھتے تھے کہ لڑکی کا باپ کیا کام کرتا تھا اور جب انہیں پتا چلتا کہ وہ ریلوے میں معمولی ملازم تھے اور اکلوتا بھائی بھی کچھ نہیں کرتا صرف ٹیوشنز پڑھاتا ہے تو انہیں اپنے ان کہے مطالبات میں سے آدھے بھی پورے ہوتے نظر نہ آتے پھر بھلا کیا ضرورت تھی اس گھر سے رشتہ جوڑنے کی جب کہ لڑکیوں سے لوگوں کے گھر بھرے ہوئے تھے۔

اور اب تو فرحت بھی کالج پہنچ گئی تھی۔ تائی اماں تو ہر دم پریشان رہنے لگی تھیں۔ اٹھتے بیٹھتے ان کے قد دیکھتیں اور فکرات میں گھر جاتیں۔ پریشانیاں تو جیسے اس گھر کے لئے رہ گئی تھیں۔

اور آج کل عمیر بھی بہت سنجیدگی سے یہ سب محسوس کررہا تھا اور یہی وجہ تھی کہ وہ ایک بار پھر سے پریشان رہنے لگا تھا۔ اس کی سوچیں ایک ہی نقطے پر اٹکی رہتی تھیں کہ کہیں سے وہ ڈھیروں دولت کما

Scanned with CamScanner

لائے اور گھر کی تمام پریشانیاں ختم کر ڈالے۔ لیکن نہ تو قسمت اتنی مہربان تھی نہ جادو کی چھڑی اس کے ہاتھ میں تھی کہ گھمائے اور سارے مسائل حل ہو جائیں۔

جاب کی مسلسل تلاش نے اس کے اعصاب کو بری طرح تھکا ڈالا تھا' یہی دنیا جو کبھی بڑی روشن اور خوبصورت لگتی تھی اب کیسی پھیکی و بے کیف ہو گئی تھی۔ معاشی مسائل کی حقیقتیں آشکار ہوئیں تو زندگی کی ساری دلکشی و رنگینی بد صورتی میں بدل گئی' تلخ حقیقتوں اور کڑوی سچائیوں نے اس کے احساسات کو بھسم کر ڈالا تھا' کبھی کبھی تو جی چاہتا تھا اپنی تمام ڈگریوں اور اسناد کو آگ لگا دے جلا ڈالے ان تمام انعامات کو جو اسے دوران تعلیم ذہانت کے اعتراف کے طور پر ملے تھے۔

آج کل وہ ایسی ہی منفی کیفیات سے دوچار رہتا تھا۔ مایوسیوں کے حصار میں گھرا رہتا تھا کہ اچانک شبیر ماموں کا امریکا سے خط آگیا۔

شبیر ماموں اماں کے سگے چچا زاد بھائی تھے۔ برسوں پہلے امریکہ گئے تھے۔ وہیں ایک امریکن سے شادی کرلی تھی۔ اور پھر ہمیشہ کے لئے وہیں کے ہو کے رہ گئے تھے۔ جب سے گئے تھے' صرف دو بار پاکستان آئے تھے۔ پہلی بار اپنی والدہ کے انتقال کی خبر سن کر' اور دوسری بار اپنی جائیداد بیچنے۔ پہلی بار جب وہ آئے تھے عمیر چھوٹا تھا البتہ دوسری بار جب انہوں نے اسے دیکھا تھا وہ ایف اے کا اسٹوڈنٹ تھا اور اب آٹھ سال بعد جانے ان کے دل میں کیا خیال آیا تھا کہ انہوں نے اسے امریکہ آنے کی دعوت دی تھی۔ اور یہ دعوت سرسری یا رسمی ہرگز نہ تھی۔ بلکہ انہوں نے خط ہی بطور خاص اس لیے لکھا تھا حالانکہ اس سے قبل ان کے درمیان کبھی بھی خط و کتابت کا سلسلہ نہ رہا تھا ماسوائے تایا ابو کی وفات پر افسوس کے خط کے۔

اس اچانک مہربانی پر جہاں سب حیران تھے وہاں خوش بھی تھے کہ شبیر ماموں نے انہیں اپنا سمجھتے ہوئے یہ پیش کش کی جب کہ آج کل تو کوئی قریبی رشتے داروں کو نہیں پوچھتا۔ پھوپھو کی مثال سامنے تھی بھائیوں کی وفات کے بعد انہوں نے کبھی پلٹ کر نہ پوچھا تھا کہ یہاں ان کے کچھ خونی رشتے اب بھی موجود تھے۔ پھر شبیر ماموں کی اتنی دور سے یہ نوازش حیرت انگیز ہی تو تھی لیکن عمیر بہت الجھا الجھا سا لگ رہا تھا جیسے وہ کسی اندرونی جنگ کا شکار ہو' اس کا گم صم کھویا کھویا رہنا اس کے ذہنی انتشار کی عکاسی کرتا تھا۔

تائی اماں نے اس سے دو ایک دفعہ اس موضوع پر بات کی تھی لیکن وہ ٹال گیا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ جانے نہ جانے کی کشمکش میں مبتلا ہو' وہ دوراہے پر کھڑا تھا اور اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کس راہ پر چلنے سے اس کی منزل آسانی سے مل سکے گی۔ دونوں راہوں پر بے یقینی کی دھند نے ہر شے کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا' اور جہاں بے یقینی ہو' وہاں فیصلہ کرنا آسان کب ہوتا ہے۔

حالات ایسے تھے کہ یہ پیش کش کسی سنہری موقع سے کم نہ تھی' آج کل ہر نوجوان امریکا جانے کے خواب دیکھتا ہے گو کہ اس نے کبھی ایسا کوئی خواب نہ دیکھا تھا نہ ہی اس کی ایسی کوئی خواہش تھی وہ تو یہاں پر رہ کر کچھ کرنا چاہتا تھا' اپنی تعلیم اپنے ٹیلنٹ سے اپنے ملک کو سنوارنے کی خواہش رکھتا تھا' لیکن اس کا موقع ملتا تب ناں اور اب قسمت کی دیوی نے خود آگے بڑھ کر اس کے دروازے پر دستک دی تھی۔ اور کہتے ہیں قسمت کی دیوی ایک ہی بار خود چل کر دروازے تک آتی ہے بار بار نہیں۔

حالات کے پیش نظر سب کا خیال تھا کہ اس پیش کش سے فائدہ اٹھانا چاہیے' حالانکہ اکلوتے بیٹے اور بھائی کو اتنی دور بھیجنے کا حوصلہ کسی میں بھی نہ تھا لیکن سنہری مستقبل کے لئے دلوں پر ضبط و صبر کے پتھر تو رکھنے ہی پڑتے ہیں بہرحال حتمی فیصلہ تو اس نے ہی کرنا تھا کہ سارے اختیار اسی کے پاس تھے اور بالآخر بہت سوچ بچار کے بعد اس نے جانے کا فیصلہ کرلیا۔

اور جب یہ خبر صبا تک پہنچی تو وہ کتنی ہی دیر اسے دیکھتی رہی۔

"ہاں میں سچ کہہ رہا ہوں میں نے جانے کا فیصلہ کرلیا ہے۔" اس کی آنکھوں میں حیرت و بے یقینی

Scanned with CamScanner

اسقدر واضح تھی کہ وہ بنا کہے اسے یقین دلانے لگا۔
"تم نے سوچ سمجھ کر فیصلہ کیا ہے۔"
"ہاں بہت سوچ سمجھ کر۔"
"تمہارا خیال ہے کہ وہاں دولت کے انبار تمہیں تھال میں رکھ کر پیش کر دیے جائیں گے۔" اس نے استہزائیہ انداز میں پوچھا۔
"نہیں۔ میں جانتا ہوں وہاں جا کر بھی بہت محنت کرنا پڑے گی۔"
"تو یہاں کر لو۔"
"وہاں محنت کا معاوضہ اتنا مل جاتا ہے کہ ساری تھکن دور ہو جاتی ہے جب کہ یہاں بہر حال۔" اس نے گہری سانس خارج کی۔
"چند سالوں کی تو بات ہے۔ میں جانتا ہوں جدائیوں کا دور بڑا کٹھن ہوتا ہے لیکن فیوچر بنانے کے لیے مشکلات کا سامنا تو کرنا پڑتا ہے۔" وہ جیسے خود کو تسلی دے رہا تھا۔
"تمہارے مستقبل کے خواب صرف دولت کے ڈھیر تک محدود ہیں" اس کے لہجے میں بڑی چبھن تھی۔
عمیر نے ٹھٹھک کر اسے دیکھا۔ اور کتنی ہی دیر بڑے غور سے اس صبیح چہرے کو دیکھتا رہا، جہاں کتنی ہی ان کہی وادھوری ادھوری داستانیں رقم تھیں اور پھر کوئی بھی جواب دیے بنا اس نے آنکھیں موند لیں، یوں جیسے کوئی کسی حقیقت سے آنکھیں چرانے کی کوشش کر رہا ہو۔
صبا چند لمحے اس کے جواب کی منتظر رہی مگر جب وہ کتنی ہی دیر تک کچھ نہ بولا تو وہ خاموشی سے وہاں سے ہٹ گئی۔

--*

تقریباً ایک ماہ لگ گیا تھا اس کے انتظامات مکمل ہونے میں۔ پاسپورٹ بنوانا، اسلام آباد آنا جانا، ایمبیسی کے چکر، ویزا ٹکٹ کتنے ہی کام تھے ان دنوں وہ بے حد مصروف رہا تھا، جس دن تمام انتظامات مکمل ہو گئے اس دن خوش نظر آنے کے بجائے بہت تھکا تھکا سا لگ رہا تھا۔

کچھ دیر تائی اماں کے پاس بیٹھ کر وہ چھت پر چلا گیا۔ اس کی شروع سے عادت تھی جب اداس ہوتا چھت پر جا کر ٹہلنا شروع کر دیتا۔ صبا نے اس کے لیے چائے بنائی اور اوپر آ گئی۔
وہ دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے خلا میں جانے کیا ڈھونڈ رہا تھا
"مبارک ہو۔" اس نے چائے کا کپ اس کی جانب بڑھاتے ہوئے کہا۔ اس نے نظر اٹھا کے اسے دیکھا مگر بولا کچھ نہیں۔
"اتنی بڑی کامیابی ملی ہے پھر بھی چپ چپ ہو، تمہیں تو بہت خوش ہونا چاہیے آخر کو "امریکہ" جا رہے ہو۔"
"طنز کر رہی ہو۔" وہ کتنا بجھا بجھا سا لگ رہا تھا۔
"کامیابی پر مبارکباد دینا یا خاموشی کی وجہ پوچھ لینا طنز کب سے ہو گیا۔" اس نے برا مان کر پوچھا اس کا بروٹھا لہجہ کئی روز سے ایسا ہی تھا اس کے ہر انداز سے خفگی ظاہر ہوتی تھی۔
"تم کیا سمجھتی ہو۔ میں یہ فیصلہ کر کے بہت خوش ہوں، میرے سینے میں دل نہیں ہے یا میں کچھ محسوس نہیں کر سکتا۔
یقین کرو صبا! میں نے ایسا کبھی نہیں چاہا تھا لیکن اب ذرا سی حقیقت پسندی سے کام لیا ہے تو احساس ہوا ہے کہ یہاں رہ کر میں دو چار سال میں کون سا کارنامہ انجام دے لوں گا، میری اوپر تلے تین بہنیں ہیں، باپ کا سایہ بھی سر پر نہیں۔ بہنوں کی شادیاں کرنی ہیں اپنا فیوچر بنانا ہے۔ بہت سوچا ہے میں نے، تب یہ فیصلہ کر سکا ہوں، تم سب سے دوری، تنہا، گھر سے دور، ملک سے باہر رہنا، یہ سب میرے لیے بہت مشکل بہت کٹھن ہے۔" اس کی آواز میں اداسیاں گھل گئیں۔
"ہاں شروع شروع میں ایسا ہی ہوتا ہے جدائیاں سب کو ڈستی ہیں۔ اور پھر رفتہ رفتہ سب عادی ہو جاتے ہیں تمہارے ساتھ بھی یونہی ہو گا ابتدا میں چند روز مشکل سے کٹیں گے اور پھر تم بھول جاؤ گے کہ یہاں کس کس کی آنکھیں اور کتنی محبتیں تمہاری منتظر ہیں"۔

سیاہ آبگینوں میں کرب پانی بن کر تیرنے لگا تو گلا رندھ گیا اور اس کی پلکیں خود بخود جھک گئیں، مبادا دل کے تمام بھید نہ عیاں ہو جائیں، حالانکہ وہ تو ہو چکے تھے کہ دلوں کے بھید نہ لفظوں کے پابند ہوتے ہیں نہ آنکھوں کے، یہ حکایتیں تو دل سے براہ راست دل تک پہنچتی ہیں۔ رندھا ہوا گلا لرزتی پلکیں خفا خفا سا لہجہ اور ہر ادا میں اداسی لیکن اب بھی کہنے کو کچھ باقی تھا اب بھی کوئی راز راز رہ گیا تھا۔ وہ کتنی ہی دیر اسے دیکھتا رہا ایک ٹک وارفتگی سے یوں جیسے بہت کچھ کہنا چاہتا ہو، جیسے آنکھوں کے رستے دل میں اتار رہا ہو۔ جذب کر رہا ہو۔

*_*_*

اور بالآخر اس کے جانے کی تاریخ آ پہنچی آج شام اسے یہاں سے کراچی اور پھر کراچی سے نیویارک جانا تھا، پوری کائنات پر جیسے اداسی کی چادر سی تنی ہوئی تھی۔ اور وہ تو جیسے ویرانیوں کے بے کنار سمندر کی اتھاہ گہرائیوں میں اتری ہوئی تھی۔ آج اسکول سے بھی چھٹی کی تھی اور اب دوپہر کے کھانے کی تیاری کر رہی تھی۔ عمیر نہا کر نکلا تو تولیے سے بالوں کو رگڑتا وہیں آگیا۔

"کیا کر رہی ہو؟"

"کھانا بنا رہی ہوں۔" اس نے کٹی ہوئی سبزی گوشت میں ڈالتے ہوئے جواب دیا۔

"چلو اچھا ہے جاتے ہوئے تمہارے ہاتھوں کا کھانا کھا کر جاؤں گا پھر تو یہ ذائقہ جانے کب نصیب ہو۔"

"چلو اس سے اتنا احساس تو ہوا کہ اپنے سہانے خوابوں کے علاوہ تمہیں کسی دوسری ذات سے بھی تھوڑا بہت لگاؤ ہے۔"

نہ چاہتے ہوئے بھی صبا کے ہونٹوں سے ایک آدھ جملہ پھسل ہی جاتا تھا آج کل وہ ایسی اکھڑی اکھڑی اور حساس ہو رہی تھی کہ ذرا سی بات پر آنکھیں بھیگ جاتیں معمولی سی بات پر برس پڑتی۔ اس کی بات پر عمیر نے اک شاکی نظر اس پر ڈالی اور جیسے ہٹانا بھول گیا وہ اسی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ بڑی وارفتگی سے بڑی آس سے کہ شاید وہ ابھی کچھ کہہ دے کوئی امید کوئی دلاسا کسی خوش آئند خواب کی جھلک، رواں رواں دو لفظوں کا منتظر ہو گیا۔ دھڑکن دھڑکن ساعت بن کر اس کے ہونٹوں کی جنبش کا انتظار کرنے لگی۔ تیزی سے گزرتے ہوئے وقت کے یہی تو دو چار لمحے تھے کچھ کہنے سننے کو لیکن وہ بھی گزرتے چلے جا رہے تھے۔

وہ جو دل کا مکین تھا۔ جذبوں کا امین تھا، جس کے ساتھ دل نے تمام خوشیاں اور غم بانٹنے کی امیدیں وابستہ کر رکھی تھیں جو اس کا سب کچھ تھا، وہی اس کے سامنے مہر بہ لب کھڑا تھا۔

کاش عمیر! تم اک جملے سے میری زندگی سہل کر دو۔ وصل کی رت تو ختم ہونے کو ہے پھر تو ہجر ہو گا، جدائیاں ہوں گی۔ کیا رہ جائے گا ہمارے پاس۔ اک دوجے کی یاد کے سوا۔

صبا نے بڑی آس سے اس کی آنکھوں میں جھانکا تھا مگر وہ نظر چرا گیا اور مشرقی روایتوں میں جکڑی مشرق کی بیٹی نے چپ چاپ سارے آنسو اپنے اندر اتار لیے۔ کتنا درد تھا ان حسرت زدہ لمحوں میں۔

*_*_*

ٹیکسی ایئرپورٹ کی طرف رواں دواں تھی۔ اور اس کا دل جیسے وہیں کہیں رہ گیا تھا۔ وہ جذباتی نہیں تھا لیکن اس وقت اپنے جذبات و احساسات پر بند باندھنا بہت دشوار انگیز تھا۔ عامر پچھلی سیٹ پر چپ چاپ بیٹھا جانے کیا سوچ رہا تھا۔ اور خود اس کی سوچوں میں صرف ایک ہی چہرہ تھا۔

وہ تپتی چلچلاتی دھوپ میں گھنی چھاؤں جیسی سانولی سلونی صبا احمد جس کے وجود سے کائنات میں دلکشی و حسن تھا۔ وہ جس کے دم سے زندگی کے سارے رنگ تھے۔ وہ اسے ہمیشہ سے اچھی لگتی تھی۔ وقت رخصت اس کی نم پلکیں، کپکپاتا لہجہ، شاکی نظریں اس کے ذہن میں پیوست ہو کر رہ گئی تھیں۔ وہ کیا کہنا چاہتی تھی کیا سننا چاہتی تھی وہ سب سمجھتا تھا، وہ جانتا تھا وقت اور حالات کے جس دوراہے پر وہ دونوں کھڑے ہیں، وہاں آج کہے گئے چند لمحوں کی کس قدر اہمیت اور ضرورت ہے۔

Scanned with CamScanner

اور پھر وہ خود بھی تو یہی چاہتا تھا۔ کہ آج وہ سب کہہ دے جو برسوں سے صرف اور صرف اس کے لیے سنبھال رکھا ہے۔ وہ تمام لمحے اس کے نام کردے جو اس کی امانتیں ہیں۔

کبھی کبھی انسان کس قدر بے بس ہو جاتا ہے۔ چاہنے کے باوجود وہ کچھ بھی نہ کہہ سکا تھا۔ اور کہتا بھی کیسے جن رستوں پر وہ سفر کرنے نکلا تھا' وہاں تو بے یقینی کی دھند پھیلی تھی۔ اپنی منزل کے بارے میں تو وہ خود بھی وثوق سے کچھ نہیں جانتا تھا۔ پھر کس برتے پر اسے کوئی آس دلاتا۔ ان آنکھوں کو بے معنی و لا حاصل انتظار کیوں سونپ دیتا جس میں وہ خود پہلا خواب بن کر اترا تھا۔ وہ اسے بے حد عزیز تھی۔ اسے اس کی خوشیاں اپنی محبت سے بھی زیادہ عزیز تھیں۔ وہ جانتا تھا وہ بہت گہری اور بڑی حساس ہے۔ اور یہ محبت کے روگ تو انسان کو دیمک بن کر چاٹ جاتے ہیں۔ وہ اسے ان لمحوں کا اسیر نہیں بنانا چاہتا تھا۔ وہ اسے آزاد اور خوش دیکھنا چاہتا تھا۔

اس کی سمت اٹھنے والے قدم ہر بار ٹھہر جاتے تھے۔ وہ ہمیشہ اچھے وقت کا انتظار کرتا رہا تھا۔ لیکن جب کہنے سننے کا وقت آیا تو وہ لمحے مصلحتوں نے اپنی مٹھی میں بند کر لیے۔ اور دل کی ساری باتیں دل ہی میں رہ گئیں۔ اس نے ٹھنڈی آہ بھری۔

ڈرائیور نے کیسٹ پلیئر آن کر دیا۔ جگجیت سنگھ کی آواز فضا میں بکھرنے لگی۔

اپنی مرضی سے کہاں اپنے سفر کے ہم ہیں
رخ ہواؤں کا جدھر کا ہے' ادھر کے ہم ہیں
وقت کے ساتھ ہے مٹی کا سفر صدیوں سے
کس کو معلوم کہاں کے ہیں کدھر کے ہم ہیں
پہلے ہر چیز تھی اپنی مگر اب لگتا ہے
اپنے ہی گھر میں کسی دوسرے کے گھر کے ہم ہیں
چلتے رہتے ہیں کہ چلنا ہے مسافر کا نصیب
سوچتے رہتے ہیں کس رہگذر کے ہم ہیں

ٹیکسی اپنی منزل کی طرف رواں دواں تھی۔ چند ادھوری ادھوری یادیں اور ان کہی داستانیں زاد راہ تھیں۔ اس نے تھک کر آنکھیں موندلیں اور دل کا بوجھ بڑھتا چلا گیا۔

*_*_*

دیو ہیکل جہاز کسی ننھے سے پرندے کی طرح آسمان کی وسعتوں میں کھو گیا تو صبا نے دونوں بازو منڈیر پر ٹکا کر چہرہ ان میں چھپا لیا اور ان تمام آنسوؤں کو بہنے کا موقع دے دیا جو نجانے کب سے روکے ہوئے تھے۔

کیسا ستمگر تھا وہ' جاتے جاتے بھی کوئی آس نہ دلا کر گیا تھا۔ کوئی وعدہ نہ قسم۔ کیسی بے رنگ اور بے کیف ہو گئی تھی اس کی زندگی۔

جب دل کا سارا درد آنکھوں کے رستے بہہ نکلا تو وہ نیچے آگئی درو دیوار سے اداسی برس رہی تھی' ہر طرف خاموشی کا راج تھا۔ تائی اماں کمرے میں منہ سر لپیٹے پڑی تھیں۔ عفت کچن میں چپ چاپ کام میں مصروف تھی۔ اور وقتاً" فوقتاً" آنکھیں پونچھ رہی تھی۔

فرحت اپنی مرغیوں کے لیے روٹی کے ٹکڑے کرتے ہوئے کسی گہری سوچ میں گم تھی۔ نیلم اور آمنہ بھی گم صم سی تھیں اداسی کہر بن کر یہاں سے وہاں تک پھیل گئی تھی۔ اور سناٹا روح کے اندر اترنے لگا تھا۔ جدائی کا پہلا ہی دن بڑا طویل اور صبر آزما تھا۔

*_*_*

اس کی دوری نے زندگی کو بہت بدل دیا تھا۔ گو کہ بظاہر سب کچھ ویسا ہی تھا۔ سورج اپنے اوقات پر نکلتا تھا' ستارے پوری آب و تاب سے آسمان پر نمودار ہوتے تھے۔ چاند کی چاندنی بھی ویسی ہی تھی۔ بھوک پیاس' سونا جاگنا سب ہی کچھ تو ویسا تھا۔ لیکن پھر بھی صبا کو محسوس ہوتا جیسے کائنات میں اک خلا پیدا ہو گیا ہو۔ اور وقت بھی تو تھم تھم کر گزرتا تھا۔ یوں جیسے گھڑی کی سوئیوں کی ٹک ٹک رک گئی ہو' ہر طرف جمود سا طاری ہو گیا تھا۔ وہ کئی دن تک بولائی بولائی بے کل بے کل سی پھرتی رہی۔ کبھی خوامخواہ ہی عامر یا آمنہ کو ڈانٹ دیتی تو کبھی بلاوجہ ہی رونے کو جی چاہتا۔

اگلے کئی روز یونہی چپ چاپ خاموشی سے سرک

Scanned with CamScanner

گئے۔ اور پھر آہستہ آہستہ بالآخر شب و روز اپنی پرانی روٹین پر آنے لگے۔

عمیو کے خط آتے تھے۔ اس نے اپنے حالات کے بارے میں کبھی بھی تفصیلاً کچھ نہ بتایا تھا۔ صرف یہی بتایا تھا کہ وہ شبیر ماموں کے ہاں رہتا ہے اور ابھی تک کسی مناسب نوکری کا انتظام نہیں ہوا۔ شبیر ماموں کوشش کر رہے ہیں۔ اور یہ تو یہاں رہنے والوں کو بھی اندازہ تھا کہ وہاں نوکریاں اتنی آسانی سے تو نہیں مل جاتیں۔ اور اسی بات کی وضاحت وہ اپنے خطوط میں کرتا رہتا تھا۔

وہ بھی اسے ایک دو خط لکھ چکی تھی۔ سیدھے سادے، بے ضرر سے، گھر کی چھوٹی چھوٹی باتیں، تائی اماں کی اداسی، فرحت، نیلم کی پڑھائی کی رپورٹ، عامر کی سرگرمیاں اور اپنی خیریت کی اطلاع بس یہی ہوتا تھا اس کا خط۔

اور یونہی دو سال گزر گئے۔

اس نے اس دوران پرائیویٹ طور پر ایم اے کا امتحان پاس کر لیا تھا۔ عفت بی اے کر کے کب سے فارغ بیٹھی تھی۔ اب تو فرحت بھی گریجویشن مکمل کر کے بی ایڈ میں ایڈمیشن لے چکی تھی۔ آمنہ اور نیلم بھی تھرڈ ایئر میں تھیں۔

عامر کے چند روز بعد ایف ایس سی کے فائنل امتحان ہونے والے تھے۔ اور صبا کا پورا دھیان اسی میں تھا۔ اس کا میڈیکل کالج میں ایڈمیشن ہو جاتا تو وہ مطمئن ہو جاتی۔

--*

"صبا! اس روز تم نے کچھ ٹیوشنز کی بات کی تھی۔" بریک ٹائم میں وہ اسٹاف روم میں بیٹھی تھی جب مس فرناز نے کہا۔

"ہاں کہا تو تھا۔ کوئی ہے نظر میں!" اس نے پوچھا۔

"ہاں بھائی کے ایک جاننے والے ہیں۔ اس کے چھوٹے بھائی کو ٹیوشن پڑھانی ہے۔ غالباً" ایٹتھ کلاس میں پڑھتا ہے۔"

"تو ٹھیک ہے، تم لے آنا اسے کسی روز گھر پر!" وہ فوراً" راضی ہو گئی۔

"نہیں بھئی، وہ گھر پر پڑھنے نہیں آئے گا!"

"تو؟" اس نے تعجب سے پوچھا۔

"بھئی، بڑے باپ کا بیٹا ہے۔ اسے تو گھر جا کر پڑھانا پڑے گا!"

"یہ کیسے ممکن ہے۔ میں تو گھر جا کر نہیں پڑھا سکتی!" اس نے فوراً" انکار کر دیا۔

"سوچ لو، فیس بھی تو اچھی ملے گی۔" فرناز نے مثبت پہلو دکھایا۔

"لیکن کنوینس پرابلم بھی تو ہے۔"

"ہاں یہ تو ہے۔ بہرحال تم سوچ لو۔ آفر بہت اچھی ہے۔ انہیں ایک ذمے دار اور لائق فائق ٹیوٹر کی ضرورت ہے۔ منہ مانگی فیس مل سکتی ہے۔"

اور اسے اچھی فیس کی ضرورت تھی۔

"ٹھیک ہے۔ میں تمہیں سوچ کر بتاؤں گی۔" بیل کی آواز پر اس نے اٹھتے ہوئے کہا۔

گھر آئی تو بھوک سے برا حال تھا۔ وہ کپڑے بدل کر سیدھی کچن میں آ گئی۔ باقی سب تو کھانا کھا چکے ہوتے تھے۔ لیکن عفت اکثر اس کے ساتھ ہی کھاتی تھی۔

"جلدی سے آجاؤ عفت! بہت بھوک لگ رہی ہے۔" اس نے وہیں سے آواز لگائی اور پلیٹوں میں سالن نکالنے لگی۔

"اب آ بھی چکو۔ سالن ٹھنڈا ہو جائے گا۔"

"ہاتھ دھو رہی تھی۔ آپی۔ لگتا ہے۔ آپ کو بہت زیادہ بھوک لگی ہے، ناشتہ بھی تو نہیں کر کے گئی تھیں۔"

"ہاں اس پر فرناز نے باتوں میں لگا لیا۔ بریک میں بھی کچھ نہیں کھا سکے!"

"ایسی کون سی خاص باتیں تھیں!" عفت نے شرارت سے پوچھا۔

"میں نے اسے ٹیوشن کا کہہ رکھا تھا۔ اسی سلسلے میں بات کر رہی تھی کہ ایک ٹیوشن ہے لیکن شادمان میں ہے۔ اور گھر جا کر پڑھانا پڑے گا۔" اس نے کھانے کے دوران ہی بتانا شروع کر دیا۔

"اتنی دور اور پھر گھر جا کر۔ ایسی کیا ضرورت پڑی ہے۔ اگر گھر پر کوئی ٹیوشن مل جائے تب تو ٹھیک ہے۔

Scanned with CamScanner

لیکن اب اچھرے سے شادمان جانا کوئی آسان بات ہے۔ چھوڑیں ٹھیک ٹھاک گزارہ ہو رہا ہے۔"
عفت نے منٹوں میں فیصلہ کر دیا۔

"ساری عمر "ٹھیک ٹھاک" گزارے پر تو نہیں گزر سکتی ناں۔ کل کو عامر کا ایڈمیشن میڈیکل میں ہو جائے جو کہ انشاءاللہ ضرور ہو گا تو پھر اخراجات میں ایکدم سے اضافہ ہو جائے گا۔ اس کے لیے مجھے ابھی سے سوچنا ہو گا اور میں نے سوچ لیا ہے۔ میں ٹیوشن ضرور پڑھاؤں گی اچھی آفر مل رہی ہے تو کیوں ضائع کروں!"
اس نے گلاس میں پانی ڈالتے ہوئے کہا۔

"لیکن آپ جائیں گی کیسے؟"

"جب گھر سے قدم نکالو تو کئی راہیں مل جاتی ہیں۔ ویسے بھی یہاں سے سیدھی ویگن جاتی ہے۔"

"تو آپ نے پکا ارادہ کر لیا ہے!"

"ارادہ نہیں فیصلہ۔ بس تائی اماں سے پوچھنا باقی ہے!"

اس نے پلیٹیں سمیٹتے ہوئے کہا تو عفت چپ کر گئی کہ اسے معلوم تھا کہ وہ جب کوئی ارادہ کر لیتی ہے تو اسے پورا کر کے ہی دم لیتی ہے۔

*_*_*

وسیع و عریض ڈرائنگ روم میں بیٹھے بیٹھے وہ اکتانے لگی تھی۔ پندرہ بیس منٹ پہلے ایک ملازمہ اسے کولڈ ڈرنک پیش کرتے ہوئے یہ اطلاع دے گئی تھی کہ بڑے صاحب کو بتا دیا ہے۔ بس وہ ابھی آ رہے ہیں۔ اور اس وقت سے وہ اس "ابھی" کا انتظار کر رہی تھی۔ اس دوران وہ ڈرائنگ روم کا جائزہ لے کر بھی فارغ ہو چکی تھی۔ اور اب انتظار کی مزید کوفت سے بچنے کے لیے وہ کارنر اسٹینڈز پر رکھے کرسٹل کے خوب صورت ڈیکوریشن پیسز دیکھنے لگی۔ ہزاروں روپے کے یہ قیمتی و دیدہ زیب ڈیکوریشن پیس مکینوں کی امارت و اعلیٰ ذوق کی بھرپور عکاسی کر رہے تھے۔ اس کی پوری توجہ کرسٹل کی بنی ہوئی ان چھوٹی چھوٹی بے حد خوب صورت بطخوں پر تھی کہ کسی نے کھنکھار کر اپنی آمد سے مطلع کیا۔ صبا نے پلٹ کر دیکھا، وہ ڈرائنگ روم کے وسط میں کھڑا اسی کی طرف متوجہ تھا۔

"اسلام علیکم!" اس نے فوراً سلام کیا۔

"وعلیکم اسلام!"

"جی میں۔ مجھے فرناز نے بھیجا ہے اس کے بھائی۔"

"میں جانتا ہوں۔ تشریف رکھیں پلیز!" اس نے صوفے کی جانب اشارہ کیا۔

"تھینک یو۔" وہ بیٹھ گئی۔

"مجھے آغا جمال کہتے ہیں!" وہ خود بھی بیٹھ گیا۔ اسی اثناء میں اس کے موبائل کی بیل بج اٹھی تو وہ بات کرنے لگا۔ اور صبا نے بلا ارادہ ہی اس کا جائزہ لے لیا۔ آف وائٹ شلوار قمیص اور بلیک ویسٹ کوٹ میں ملبوس وہ گہری سانولی رنگت والا مرد خاصا باوقار لگ رہا تھا۔ عمر پینتالیس پچاس کے لگ بھگ ہو گی۔ کنپٹیوں کے تمام بال سفید ہو چکے تھے۔

"سوری مس۔" بات مکمل کر کے وہ اس کی طرف متوجہ ہوا۔

"صبا!" اس نے جلدی سے نام بتایا۔

"مس صبا! یہ بزنس کے دھندے ایسے ہی ہوتے ہیں۔" اس کے انداز میں خاصی شائستگی تھی۔

"جی!" وہ اس سے زیادہ کیا کہتی۔

"ہاں تو کیا کوالیفیکیشن ہے آپ کی۔" وہ اصل موضوع کی طرف آیا۔

"جی میں نے ماسٹر کیا ہے۔ اکنامکس میں!"

"گڈ! عمر میرا بیٹا ہے۔ آٹھویں میں پڑھتا ہے۔ ویسے تو ذہین ہے لیکن بہت لاپرواہ اور قدرے ضدی ہے۔ اسے پڑھانا ذرا ٹف ہے۔ کیا آپ اسے ہینڈل کر سکیں گی!"

"جو کام سختی سے نہ ہو، وہ پیار سے ہو سکتا ہے۔ میں پوری کوشش کروں گی کہ آپ کی توقع پر پوری اتر سکوں!" اس نے مطمئن کرنے کی کوشش کی۔

"ویل ڈن۔ آپ رہتی کہاں ہیں!"

"اچھرہ میں!"

"اوہ، وہاں سے یہاں آنے میں دشواری نہیں ہو گی!"

"وہ میری پرابلم ہے۔"
"اوکے۔" اسے بھلا کیا پرواہ ہوتی۔
"آپ مجھے عمر سے ملوا دیں تو۔"
"اس وقت تو وہ کرکٹ کھیلنے گیا ہوا ہے۔" اس نے بتایا اور پھر فیس وغیرہ کے معاملات طے کرنے لگا۔ جو فوراً ہی ہو گئے تھے۔
"اوکے مس صبا! میری میٹنگ ہے! وہ اٹھ کھڑا ہوا تو وہ بھی اٹھ گئی۔
"تو پھر کل سے آپ آجائیں۔ اور عمر کے ساتھ ڈسکس کر کے ٹائمنگز سیٹ کر لیں!"
"جی بہتر۔ خدا حافظ۔" اس نے قدم بڑھائے۔
"خدا حافظ!" وہ بھی اس کے پیچھے ہی نکل آیا۔

*_*_*

اگلے چند روز میں ہی وہ اچھی طرح جان گئی تھی کہ عمر سچ مچ بہت ضدی اور بگڑا ہوا بچہ ہے۔ جس کی نظر میں ٹیچر کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ اس کا موڈ ہوتا تو پڑھنے بیٹھتا۔ نہ ہوتا تو صاف انکار کر دیتا لیکن ایک بات تھی کہ وہ واقعی ذہین تھا۔ لہٰذا اس نے ہمت نہ ہاری تھی اور اس کی ہٹ دھرمی و ضد کو برداشت کرتے ہوئے اپنی کوشش جاری رکھی تھی۔ اور یہ اس کی نرمی و مشقت کا ہی نتیجہ تھا کہ عمر کسی حد تک اس کی بات ماننے لگ گیا تھا۔ اور پہلے کی طرح وقت بے وقت پڑھائی سے چھٹی کرنا کم ہو گیا تھا۔ پہلے روز کے بعد اس کا سامنا ابھی تک آغا جمال سے دوبارہ نہ ہوا تھا۔

*_*_*

وہ اسکول سے سیدھی ٹیوشن پڑھانے چلی جاتی تھی اور واپسی پر بے حد تھکی ہوتی تھی۔ سو کھانا کھاتے ہی سو جاتی تھی۔ اب بھی جو کھانا کھا کر لیٹی تو ایسی گہری نیند آئی کہ وقت گزرنے کا احساس ہی نہ ہوا۔ آنکھ کھلی تو چار سو ملگجا سا اندھیرا پھیلنے کو تھا۔ وہ منہ پر دو چار چھینٹے مار کر کچن میں آگئی۔ آمنہ رات کے کھانے کی تیاری کرتے ہوئے چاول صاف کر رہی تھی۔ چائے بنانے کے دوران وہ اس سے ادھر ادھر کی باتیں کرتی رہی۔ اور جب چائے بن گئی تو مگ میں ڈال کر تائی اماں کے پاس آگئی۔ اکتوبر کا وسط تھا اور سرِ شام ہی ہواؤں میں خنکی آگئی تھی۔

"موسم خاصا بدل گیا ہے ناں!" اس نے ٹھنڈ محسوس کرتے ہوئے کہا۔
"موسم تو اپنے وقت سے بدل ہی جاتے ہیں۔ نصیب ہی نہیں بدلتے!"
انہوں نے سلیم کی قمیص کی سلائی ادھیڑتے ہوئے کہا تو وہ تعجب سے انہیں دیکھنے لگی۔ کتنی یاسیت تھی ان کے لہجے میں اور اس نے غور کیا تو وہ خاصی رنجیدہ لگ رہی تھیں۔
"کیا ہوا تائی اماں۔ خیریت تو ہے!"
"ہاں خیریت ہے!"
"نہیں۔ آپ پریشان لگ رہی ہیں۔ بتائیں ناں کیا ہوا۔" وہ خود بھی پریشان ہو گئی۔
"بس بیٹی! خدا سے دعا ہے کہ بیٹیاں دے تو ان کے نصیب بھی اچھے دے۔" وہ سچ مچ بہت آزردہ تھیں۔
"لیکن ہوا کیا!"
"وہ جو اس دن عفت کے لیے کچھ لوگ آئے تھے ناں۔ جن کا بیٹا انجینئر تھا۔"
"ہاں ہاں۔" اس نے اثبات میں سر ہلایا۔
"انہوں نے انکار کر دیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ ہم تو یہ سوچ کر گئے تھے کہ لڑکی کا بھائی امریکہ میں ہے۔ ہمارے اسٹینڈرڈ کے لوگ ہوں گے لیکن یہ تو۔"
"چھوڑیں تائی اماں! اس بات پر پریشان ہو گئیں آپ، بلکہ اچھا ہوا جو وقت پر پتا چل گیا کہ وہ لوگ ایسے ہیں۔ ایسی سطحی سوچ رکھنے والے لوگ جو اتنی اچھی لڑکی اور عزت دار گھرانے کے بجائے اسٹیٹس کو معیار بنا کر رشتے جوڑتے ہوں ان سے بچ جانا ہی خوش قسمتی ہے۔ اگر اب پتا نہ چلتا اور شادی کے بعد ان کی ذہنیت کھلتی تو تب ہم کیا کرتے!" وہ انہیں دلاسا دینے لگی۔
"مگر بیٹی! اب تو نوے فیصد لوگوں کی سوچ ایسی ہی ہے۔ آخر ہم جیسے سفید پوش لوگوں کا کیا ہو گا!"
"آپ فکر کیوں کرتی ہیں تائی اماں! اگر نوے فیصد لوگ ایسے ہیں تو دس فیصد اچھے بھی تو ہیں۔ اور ویسے بھی عمو گھر بار وطن چھوڑ کر اپنے پیاروں سے دور

Scanned with CamScanner

گیا ہے۔ اس قربانی کا کچھ تو صلہ ملے گا۔"

"ہاں اسے خط لکھوں گی کہ تمہارے جانے سے تو لوگوں کی توقعات اور بھی بڑھ گئی ہیں۔ وہ بیچارہ بھی وہاں پر جانے کیا کیا سوچتا ہو گا۔ یہ جو کبھی کبھار پیسے بھیجتا ہے نہ جانے کس طرح کماتا ہے۔" اکلوتے پردیسی بیٹے کے ذکر پر ان کی آواز رندھ گئی تو اس کا دل بھی بھر آیا۔ مگر ضبط کر گئی۔

"ہر رات کی سحر ہوتی ہے تائی اماں۔ آپ صرف دعا کیا کریں۔ انشاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا!"

اس نے ان کے ہاتھ تھام کر تسلی دی۔ حالانکہ خود اندر سے کتنی آزردہ ہو گئی تھی وہ۔

*_*_*

یونیورسٹی کے طلباء نے جلوس نکالا تھا۔ اور پولیس کی مداخلت پر مشتعل ہو کر سڑک پر جاتی ہوئی کئی ویگنوں کے پتھر مار مار کر شیشے توڑ ڈالے تھے۔ جس پر اگلے روز ویگنوں نے احتجاجاً ہڑتال کر دی تھی۔ لہٰذا اس کے لیے عمر کو پڑھانے جانا بہت مشکل ہو گیا تھا۔ اور جب تیسرے روز وہ پڑھانے آئی تو آغا جمال فون پر کسی سے بات کر رہا تھا۔ بات مکمل کر کے وہ اس کی سمت متوجہ ہوا۔

"ٹھیک تو ہیں آپ۔ تین دن سے آئیں نہیں!"

"دراصل ہمارے روٹ کی ویگنوں نے ہڑتال کر رکھی تھی۔ جس کی وجہ سے مجھے چھٹی کرنا پڑی۔"

"اوہ شٹ۔ پتا نہیں کیا بنے گا اس قوم کا۔ پروٹیسٹ بھی کرتے ہیں تو اک دوجے کا نقصان کر کے' بہرحال آپ ذرا کیئر کیا کریں پلیز۔ تین تین چھٹیوں سے عمر کا بہت نقصان ہو سکتا ہے۔"

"میں سمجھتی ہوں سر۔ لیکن ایسے موقعوں پر تو مجبوری ہوتی ہے۔" اس نے شائستگی سے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے' آئندہ سے میں ڈرائیور بھیج دیا کروں گا۔ وہ آپ کو پک اینڈ ڈراپ کر دے گا۔" اس نے فوراً فیصلہ کر لیا۔

"لیکن......!" وہ متذبذب ہوئی۔

"میں محسوس کر رہا ہوں کہ عمر کی آپ سے انڈرسٹینڈنگ ہو رہی ہے۔ اور یہی اس کے حق میں بہتر ہے۔ لہٰذا میں چاہتا ہوں کہ آپ بالکل ریلیکس ہو کر پڑھائیں!" اور یہ سب وہ اپنے بیٹے کے مفاد کے لیے کر رہا تھا۔ اس پر کوئی احسان نہ تھا۔ سو وہ چپ کر گئی۔ گویا آمادہ ہو گئی۔

*_*_*

سیدھی سادی ایک ہی ڈگر سے گزرتی ہوئی سپاٹ سی زندگی میں کبھی کبھار جب عمیر کا فون آتا تو چار اور چراغ جل اٹھتے۔ اک خوشگوار سا احساس رگ و پے میں اس طرح سرایت کرتا کہ ہواؤں میں خوشبو رچ جاتی۔ اور اک ان دیکھی سی خوشی اس کے اردگرد تتلیوں کی طرح اڑتی پھرتی۔

اس روز بھی اچانک ہی اس کا فون آگیا تھا۔ جسے اتفاق سے اس نے ہی اٹینڈ کیا تھا۔ دوسری طرف عمیر کی آواز سن کر دھڑکنوں میں تلاطم برپا ہو گیا تھا۔ کتنے عرصے بعد اس کی آواز سنی تھی۔ یہ لہجہ سماعتوں میں اترا تھا۔ دل چاہتا تھا وہ بولتا چلا جائے اور وہ سنتی چلی جائے۔ وقت تھم جائے۔ ہر شے ساکت ہو جائے۔ وہ بھی شاید کسی ایسے ہی احساس کی گرفت میں تھا۔ کتنے ہی پل خاموشیوں کی نذر ہو گئے۔ پھر جیسے وہ چونکا۔

"کیا حال ہے صبا۔ اچھی تو ہو!" وہی دھیما گھمبیر شیریں لہجہ۔

"میں اچھی ہوتی تو۔" آواز بھیگنے لگی تو اس نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"تم کیسے ہو۔؟"

"ٹھیک ہوں جیسے ہی حالات ذرا بہتر ہوئے' واپس آنے کی کوشش کروں گا۔ میرے لیے دعا کرنا۔"

"تمہیں تو دعاؤں پر یقین نہیں تھا۔" اس نے یاد دلایا۔

"جذبوں کی صداقت پر تو ہے!"

اور پھر کتنے ہی دن یہی جملہ اس کے اردگرد بازگشت کی طرح گونجتا رہا کہ جیسے ہی حالات ذرا بہتر ہوں گے' واپس آنے کی کوشش کروں گا' اور اس کی آنکھوں میں مدھم پڑتی امید و آس کے دیے پھر سے لو دینے لگے تھے۔ اور جینے کو پھر سے آسرا مل گیا تھا۔

Scanned with CamScanner

*_*_*

اس دن اسکول سے چھٹی تھی۔ وہ عامر اور آمنہ کے ساتھ خالہ کے ہاں چلی آئی' چونکہ چھٹی کا دن تھا' لہٰذا سبھی گھر پر تھے اسے اپنے ہاں دیکھ کر خالہ تو کھل اٹھیں۔

"یہ آج عید کا چاند کدھر سے نکل آیا!" رابعہ نے گلے ملتے ہوئے کہا۔ باقی سب نے بھی بہت خوشی کا اظہار کیا۔

"صبا بیٹی! بہت دنوں بعد آئی ہو۔ اب شام تک ادھر ہی رہنا!" خالو نے اس کے سلام کے جواب میں سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے شفقت سے کہا تو وہ ان کی محبت پر مسرور ہو گئی۔

"سب لوگ ہمارے دیر سے آنے کا شکوہ کر رہے ہیں۔ خود تو کبھی یاد نہیں آیا کہ جا کر خیریت ہی پوچھ آئیں!" صائمہ کی کسی بات پر اس نے شکوہ کیا۔

"جناب ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ دراصل جب بھی جانے کا سوچا تمہارے گھر پر نہ ہونے کی وجہ سے رک گئے۔ اتنی دیر سے تو واپس آتی ہو تم پڑھا کے۔" رابعہ نے اپنا دفاع کیا۔

"خیر' یہ تو بہانا ہے' ورنہ چھٹی کا دن ملنے ملانے کے لیے ہی ہوتا ہے۔ جیسے اس وقت ہم یہاں پائے جا رہے ہیں!" عامر نے اس کا جواز ماننے سے قطعی انکار کر دیا۔

"ہاں' یہ بھی ٹھیک ہے۔ ویسے آج کل ہم میں سے کوئی نہ کوئی آنے والا تھا آپ کی طرف!" رابعہ نے صائمہ کو دیکھتے ہوئے کہا تو وہ شرما سی گئی۔ اور صبا کو اندازہ ہو گیا کہ کوئی گڑبڑ ضرور ہے۔

اور پھر بعد میں خالہ نے بتایا کہ آج کل صائمہ کی بات چل رہی ہے تو اسے بے حد خوشی ہوئی۔

"کیا کرتا ہے لڑکا' کیسے لوگ ہیں؟" اس نے اشتیاق سے پوچھا۔

"تمہارے ہی جیسے ہیں۔ لڑکا باپ کے ساتھ دکان پر بیٹھتا ہے۔ اچھے شریف لوگ ہیں۔ لڑکے والوں کے تقاضے اور نخرے اس قدر بڑھ گئے ہیں کہ ہم جیسے لوگوں کو اگر اپنے جیسے بھی مل جائیں تو خوش نصیبی ہے۔ ورنہ تو وہ بھی چاہتے ہیں کہ اپنے سے اونچے گھر میں رشتہ کریں۔ ارے بیٹا! آج کے دور میں لڑکے اوپر چڑھنے کے لیے سیڑھیاں ڈھونڈتے ہیں اور سب سے آسان رستہ انہیں یہی نظر آتا ہے کہ امیر کبیر گھر میں رشتہ جوڑ لیں۔"

خالہ نے شاید اس کے چہرے سے اندازہ لگا لیا تھا کہ اسے لڑکے کے بارے میں سن کر زیادہ خوشی نہیں ہوئی۔ اسی لیے وہ اسے آج کل کے حالات کے بارے میں بتا رہی تھیں۔

"آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں خالہ۔ بیٹیاں بیاہنا واقعی بہت بڑا مسئلہ بن گیا ہے۔" اس نے افسردگی سے ان کی بات کی تائید کی۔

*_*_*

عمیر کا فون آئے کتنا ہی عرصہ ہو گیا تھا۔ خط تو وہ ویسے بھی کم ہی لکھتا تھا۔ لیکن فون پر اپنی خیریت کی اطلاع ضرور دے دیتا تھا۔ لیکن اب تو بہت دنوں سے اپنی کوئی خبر ہی نہ دی تھی۔ عفت نے خط لکھا تھا مگر اس کا بھی جواب ندارد۔ تائی اماں اور باقی سب تو پریشان تھے۔ لیکن اس کی آنکھوں میں تو جیسے رتجگوں نے بسیرا کر لیا تھا۔

*_*_*

حسب معمول وہ عمر کا انتظار کر رہی تھی کہ ملازمہ نے آ کے اطلاع دی کہ چھوٹے صاحب تو آج میچ دیکھنے گئے ہیں' لہٰذا وہ چھٹی کریں۔ کل اس کا میتھ کا ٹیسٹ تھا۔ اور آج اس نے صرف اسی کی تیاری کروانا تھا۔ لیکن وہ اسٹیڈیم پہنچا ہوا تھا۔ اسے اس کی لاپروائی پر غصہ تو آیا لیکن ظاہر ہے کہ وہ کیا کر سکتی تھی۔ لہٰذا اس نے بیگ اٹھایا اور ابھی جانے کے ارادے سے اٹھی ہی تھی کہ آغا جمال آ گیا۔

"السلام علیکم!"

"وعلیکم السلام بیٹھیے پلیز۔" اس نے بیٹھتے ہوئے کہا تو اخلاقاً اسے بھی بیٹھنا پڑا۔

"کیسی ہیں آپ؟"

"فائن!" اس نے مختصراً کہا۔

"دراصل عمر آج میچ دیکھنے چلا گیا ہے' اس لیے

Scanned with CamScanner

میں جا رہی تھی۔"
"ہاں میں جانتا ہوں' بہت شوقین ہے وہ میچ کا اور آج تو ویسے بھی پاکستان اور انڈیا کھیل رہے ہیں۔ وہ بھی قذافی اسٹیڈیم میں۔ اسی لیے میں نے اسے اجازت دے دی۔ ویسے آپ کے ساتھ کیسا جا رہا ہے۔"
"جی؟" وہ سمجھ نہ سکی۔
"میرا مطلب ہے' پڑھائی میں کیسا جا رہا ہے۔ دراصل وہ تھوڑا کمپلیکیٹڈ Complicated بچہ ہے" اس نے وضاحت کی۔
"نہیں سر! کمپلیکیٹڈ نہیں آپ اسے موڈی کہہ سکتے ہیں۔ جب اس کا موڈ نہیں ہوتا تو وہ کسی کی نہیں مانتا۔ اور اگر زبردستی کی جائے تو روڈ ہو جاتا ہے۔"
"پھر تو آپ کو اسے پڑھانے میں دشواری ہوتی ہو گی۔"
"ایسی بات نہیں ہے۔ پڑھانے سے پہلے اسٹوڈنٹ کی مزاج کو سمجھنا بہت ضروری ہے۔ اور میں اسے سمجھ چکی ہوں۔ ان فیکٹ وہ بہت ذہین ہے اور یہی وجہ ہے کہ جب اس کا موڈ ہوتا ہے' وہ بہت جلد پک کر لیتا ہے۔ اور یوں اس کا بیلنس صحیح رہتا ہے۔ مجھے امید ہے کہ اس کا رزلٹ بہت اچھا ہو گا!" اس نے پروفیشنل انداز میں تسلی دی۔
"تھینک یو ویری مچ۔ آپ نے میری فکر کم کر دی۔ دراصل ماں کی کمی نے اس کا مزاج ایسا کر دیا ہے۔ اس کی لاپروائی یا لاابالی پن کے باعث کئی ایک ٹیچرز اسے چھوڑ گئے یا پڑھانے میں ناکام ہو گئے۔ اسی لیے اس بار میں نے لیڈی ٹیچر کا انتظام کیا تھا' دراصل عورت میں فطری طور پر اتنی لچک ہوتی ہے کہ وہ.... اچھا خیر' چھوڑیں اس بات کو!" اس نے خود ہی بات ختم کر دی۔
"اب میں چلوں!"
"چائے پی کر جائیے گا۔"
"نو تھینکس!"
"لیکن اب تو چائے کا وقت ہے۔ اور پھر اتنا وقت تو عمر کی پڑھائی میں بھی لگ ہی جاتا۔ آپ کو دیر تو ہرگز نہیں ہو رہی۔" اس نے اتنے اصرار سے کہا کہ اسے رکنا ہی پڑا۔
اور چائے کے دوران وہ اسے اپنے بیٹوں کے متعلق بتانے لگا بڑا بیٹا آج کل انگلینڈ میں تھا۔ اس نے وہیں شادی کر لی تھی۔
دوسرے کو خاص وڈیروں والے شوق تھے اور وہ زیادہ تر زمینوں پر ہوتا تھا' آغا جمال کی بیوی اس کی چچا زاد تھی' عمر پانچ چھ سال کا تھا جب اس کی اچانک وفات ہو گئی تھی معمولی سا یرقان ہوا تھا' لیکن اتنی شدت اختیار کر گیا تھا کہ جان لیوا ثابت ہوا تھا بیٹے جوان ہو کر اپنی پسندیدہ راہوں پر چل نکلے تھے اور اس نے اپنا دھیان بزنس میں لگا لیا تھا۔
آج پہلی بار اس نے اپنی بہت ذاتی قسم کی باتیں اس سے شیئر کی تھیں اور صبا کو محسوس ہوا تھا کہ بظاہر ہشاش بشاش نظر آنے والا یہ شخص اندر سے بہت اکیلا ہے۔

*_*_*

رات کے نجانے کون سے پہر اس کی آنکھ کھلی تھی عامر کے کمرے کی لائیٹ جل رہی تھی عمیر کے جانے کے بعد سیڑھیوں کے درمیان بنا ہوا گیلری نما کمرہ اب عامر کے زیر استعمال تھا یہ کمرہ ذرا الگ تھلگ تھا سو اسے پڑھنے میں آسانی رہتی تھی۔ آج کل اس کے ایف ایس سی کے فائنل پیپر ہو رہے تھے اور وہ رات گئے تک پڑھتا تھا۔
اس نے ٹائم دیکھا تین بجنے والے تھے وہ سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آ گئی۔
"عامر۔!" اس نے آہستگی سے پکارا۔
"آپی آپ۔" اس نے کتاب پر سے سر اٹھایا۔
"آپ اب تک جاگ رہی ہیں۔" اس نے تعجب سے پوچھا۔
"نہیں تو بس ابھی آنکھ کھلی ہے تمہاری لائیٹ جلتے دیکھ کر ادھر آ گئی تین بج رہے ہیں بس اب سو جاؤ۔" اس نے اس کی پیشانی سے بال ہٹاتے ہوئے محبت سے کہا۔

Scanned with CamScanner

"نہیں آپی! یہ سونے کے دن نہیں ہیں بس آپ دعا کریں میرے مارکس اچھے آجائیں اور مجھے میڈیکل میں ایڈمیشن مل جائے۔"

"بہت شوق ہے تمہیں ڈاکٹر بننے کا۔" وہ اس کے قریب ہی کرسی پر بیٹھ گئی۔

"ہاں لیکن شوق سے بھی زیادہ ابو کی خواہش کا احترام ہے ان کا خواب تھا ناں کہ میں ڈاکٹر بنوں۔"

"ہاں بہت شوق تھا انہیں۔"

"لیکن آپی! کبھی کبھی میں سوچتا ہوں ڈاکٹر بننے کے لیے تو بہت پیسے کی ضرورت ہوتی ہے کتابیں ہی بہت مہنگی ہیں، کہیں ایسا نہ ہو میری خواہش اور ابا کا خواب ادھورا ہی رہ جائے" اس کے لہجے میں کتنے اندیشے تھے۔

اس کا اکلوتا لاڈلا بھائی اس کی پہلی پہلی خواہش اور وہ بھی واہموں اندیشوں میں لپٹی ہوئی، آس و نراش کے چکر میں ڈولتی ہوئی، اس کے دل کو کچھ ہونے لگا۔

"یہ تمہارے سوچنے کی باتیں نہیں ہیں عامر! تم صرف پڑھائی پر توجہ دو۔" اس نے پیار بھری نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"تو پھر کس کے سوچنے کی ہیں، ابو یا کوئی بھائی ہوتا تو اور بات تھی۔ مگر اب تو جو کچھ کرنا ہے، خود ہی کرنا ہے۔" اس نے سنجیدگی سے کہا۔

"ابو یا کوئی بھائی نہیں ہے تو کیا ہوا۔ میں تو ہوں ناں اور میرے ہوتے ہوئے تمہیں کبھی ابو کی کمی محسوس نہیں ہوگی۔ اگر تم اسی قسم کی باتیں سوچتے رہے تو اسٹڈی پر برا اثر پڑے گا لہٰذا ساری سوچیں جھٹک دو، میرے ہوتے ہوئے تمہیں پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہی، سب کچھ تمہاری خواہش کے مطابق ہوگا انشاء اللہ بس تم خوب دل لگا کر محنت کرو، وہ جو اوپر بیٹھا ہوا ہے ناں سب کا سہارا ہے۔ اس سے اچھی امید رکھو۔"

اس نے اس کے گال تھپتھپائے اور اسے حوصلہ دیتے ہوئے اسے یوں محسوس ہوا جیسے وہ واقعی ابو کی جگہ ہو، جیسے زندگی کی ہر خواہش ہر تمنا پس منظر میں چلی گئی ہو اور پھر واقعی ایسا ہی ہوا

اس کے پیش نظر صرف ایک ہی مقصد رہ گیا تھا کہ کسی طرح عامر کو ڈاکٹر بنانا ہے۔

اور وہ جو دل کے اندر تتلیوں جیسی رنگین اور جگنو جیسی جگمگاتی ہوئی خواہش تھی وہ تو اس نے کب سے حقیقتوں کے جزدان میں لپیٹ کر رکھ دی تھی۔ حالانکہ نہ تو اس کے رنگ پھیکے پڑے تھے نہ ہی لو مدھم ہوئی تھی۔

--*

عفت کی بات اچانک ہی ٹھہر گئی تھی۔ کسی ملنے والے کے توسط سے رشتہ آیا تھا، پسندیدگی کے بعد دونوں جانب سے ضروری چھان بین کر کے منگنی کی چھوٹی سی تقریب ہوئی اور پھر جلد ہی شادی کی تاریخ طے کر دی گئی، عمیر کو خط لکھ کر مطلع کر دیا گیا تھا چند روز بعد اس نے بہت سے تحائف اور شادی کے لیے ڈرافٹ بھجوا دیا تھا۔ اور یوں شادی خوش اسلوبی سے انجام پا گئی تھی۔ البتہ اس کی کمی صبا کو قدم قدم پر محسوس ہوئی تھی۔ اور اس کا سارا اہتمام بھی صرف اس مووی کے لیے تھا جو شادی کے بعد اسے امریکا بھجوائی جانی تھی۔ وہ بھی تو دکھا ہنستے ہوئے کاجل سے بھری آنکھیں اندر سے کس قدر اداس تھیں۔

--*

اس روز وہ گھر لوٹی تو خلاف معمول گھر میں بڑی خاموشی تھی۔ بلکہ عجیب طرح کی اداسی سی محسوس ہو رہی تھی۔ تائی اماں جو عموماً اس وقت تخت پوش پر بیٹھی ہوئی تھیں آج ان کی جگہ خالی پڑی تھی۔ فرحت بھی اکثر اپنی مرغیوں کو دانہ ڈالتے ہوئے ملتی تھی۔ آمنہ اور نیلم عموماً برآمدے یا کیاری کے پاس کتابیں لیے بیٹھی ہوتیں۔ عامر البتہ پڑھنے گیا ہوتا تھا لیکن آج سب کچھ خلاف معمول تھا صحن میں کوئی نہ تھا وہ متعجب سی کمرے میں آئی۔

فرحت آنکھوں پر ہاتھ رکھے پلنگ پر لیٹی تھی۔ جانے جاگ رہی تھی یا سو رہی تھی اس نے کپڑے بدلے اور دوسرے کمرے میں آگئی، نیلم تائی اماں کا سر دبا رہی تھی۔ اسی دم آمنہ پانی کا گلاس اور ٹیبلٹ لے آئی۔

Scanned with CamScanner

"تائی اماں! آپ ٹھیک تو ہیں۔" وہ ان کے قریب آ گئی۔

"مجھے کیا ہوگا؟" انہوں نے آہستہ سے جواب دیا اور ساتھ ہی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔

"کیا ہوا فرحت۔" اس نے بے حد پریشانی سے پوچھا تو اس نے جواب دینے کے بجائے تکیے کے نیچے سے لفافہ نکال کر اسے تھما دیا۔

"الٰہی خیر!" اس کا دل ہول گیا۔ دھڑکتے دل سے لفافہ کھول کر بے تابی سے نظریں تحریر کو چھونے لگیں۔ اور جو کچھ اس نے پڑھا اسے لگا اس کی دھڑکنیں تھم جائیں گی۔ اور سانسیں رک جائیں گی اس کے دل کی دنیا اک پل میں برباد ہو گئی تھی کاغذ کے اک ٹکڑے نے سارے خواب چکنا چور کر دیئے تھے۔

عمیر نے شادی کر لی تھی۔ شبیر ماموں کی بیٹی جینٹ کے ساتھ وہ خط پڑھتی گئی اور آنکھوں کے آگے دھند بڑھتی چلی گئی۔

*_*_*

ابھی تو رت بدلنی تھی، ابھی تو پھول کھلنے تھے
ابھی تو رات ڈھلنی تھی، ابھی تو زخم سلنے تھے
ابھی تو سرزمین جاں پہ اک بادل کو گھرنا تھا
ابھی تو وصل کی بارش میں ننگے پاؤں پھرنا تھا
ابھی تو کشت غم میں اک خوشی کا خواب بونا تھا
ابھی تو سینکڑوں سوچی ہوئی باتوں کو ہونا تھا
ابھی تو ساحلوں پر اک ہوائے شاد چلنی تھی
ابھی جو چل رہی ہے یہ تو کچھ دن بعد چلنی تھی

کچھ حقیقتیں کس قدر تلخ ہوتی ہیں کہ دل و ذہن کو انہیں قبول کرنے کے لیے کرب کی کڑی منزلوں سے گزرنا پڑتا ہے اور ایسی ہی کڑی منزلوں سے گزر رہی تھی وہ۔

گو کہ ان کے مابین قسموں کی زنجیریں تھیں نہ وعدوں کی ریشمی ڈور، لیکن ایک ان دیکھا حصار تو تھا، جس کی گرفت میں وہ دونوں تھے ایک ان کہی داستاں تو تھی جسے وہ دونوں سمجھتے تھے۔ اک بے نام نسبت تو تھی جسے وہ دونوں جانتے تھے۔

وہ تو کہتا تھا کہ مجھے جذبوں کی صداقت پر یقین ہے تو کیا اسے لگا تھا کہ اب اس کے جذبوں کی صداقت کم پڑ گئی ہے۔ یا پھر خود اس کا اپنا ہی یقین اٹھ گیا تھا۔

تائی اماں نے اپنے طور پر شروع سے ہی صبا کو بہو کے لیے منتخب کر رکھا تھا اس ارادے بلکہ فیصلے کی خبر عفت، فرحت اور نیلم تک کو بھی تھی۔ اور اس پر وہ سبھی بہت خوش تھیں۔ لیکن اب عمیر کے یوں اچانک شادی کر لینے سے سارے ارمان خاک ہو گئے تھے۔

شبیر ماموں خود شادی کر کے وہیں کے ہو گئے تھے۔ پھر بھلا وہ داماد کو کیونکر واپس آنے دیں گے۔ اور ویسے بھی وہاں کی پلی بڑھی گوری کی بیٹی بھلا پاکستان میں چند دن بھی گزار سکتی تھی۔ انہی سب باتوں نے ان سب کو پریشان کر دیا تھا اور وقتی طور پر وہ عمیر سے بھی ناراض ہو گئی تھیں آخر ان کا اکلوتا بھائی تھا اور امریکہ کی روشنیوں نے ہمیشہ کے لیے اسے اپنا اسیر کر لیا تھا یہ دکھ کوئی معمولی تو نہ تھا، لیکن اتنی دور بیٹھ کر وہ کر بھی کیا سکتی تھی۔ سو دل میں گلے شکوے رکھنے کے باوجود وہ لاکھوں میل دور سے آنے والے خط اور فون کال پر کھل اٹھتی تھیں۔

*_*_*

امریکا سے آنے والے ڈرافٹ کی تعداد میں ایک دم سے ہی اضافہ ہو گیا تھا اور جس رفتار سے ڈرافٹ آ رہے تھے اسی رفتار سے گھر کے حالات بھی بہتر ہو رہے تھے۔

شاید یہی وجہ تھی کہ تائی اماں کے بڑے بھائی کو اچانک ہی اپنی بھانجی بہت اچھی لگنے لگی تھی۔ اور کچھ ہی دنوں بعد انہوں نے اسے اپنے اکلوتے بیٹے کے لیے مانگ لیا تھا۔ تائی اماں کو بھلا کیا اعتراض ہو سکتا تھا دیکھا بھالا لائق فائق لڑکا تھا اپنا خاندان تھا، فون پر انہوں نے عمیر سے بات کی کہ تمہارے بڑے ماموں واجد کے لیے فرحت کو مانگ رہے ہیں۔ ادھر سے بھی رد عمل حسب توقع تھا اور یوں چند روز میں فرحت بھی سسرال کو پیاری ہو گئی۔

*_*_*

Scanned with CamScanner

عامر کا ایڈمیشن میڈیکل میں ہو گیا تو وہ مطمئن ہو گئی لیکن تائی اماں ان کے لیے بہت پریشان تھیں عمیر کی شادی سے پہلے تک وہ اس کی طرف سے بہت مطمئن تھیں انہوں نے ہمیشہ ہی اسے عمیر کی دلہن کے روپ میں دیکھا تھا' صرف اس کے برسر روزگار ہونے کے انتظار میں تھیں۔ لیکن انسان ہمیشہ ہی حالات کے تابع رہا ہے۔

وہ سوچتیں اگر انہیں پہلے علم ہوتا کہ عمیر اس طرح اچانک شادی کرلے گا تو وہ عفت' فرحت سے پہلے اس کے متعلق سوچتیں کہ وہ بھی انہیں کسی طرح ان سے کم عزیز نہ تھی۔

اب تو خالہ کو بھی اس کی فکر ستانے لگی تھی۔ تائی اماں کی خواہش ان کے علم میں تھی اس لیے پہلے وہ بھی مطمئن تھیں۔ لیکن اب تو ان کو ہی اس کے متعلق سوچنا تھا اور تائی اماں خالہ نے مل کر طے کیا تھا کہ جیسے ہی کوئی اچھا رشتہ ملے اس کے ہاتھ پیلے کر دیے جائیں اور اپنے اپنے طور پر تلاش بھی شروع کر دی گئی تھی۔

*_*_*

"صبا! ذرا یہاں آؤ۔ تم سے کچھ بات کرنی ہے۔"

وہ صبح کے لیے کپڑے استری کر رہی تھی جب تائی اماں نے آواز دی۔

"اچھا تائی اماں۔" وہ پلگ اتار کر کمرے میں آگئی۔

"کیا کر رہی تھیں؟۔"

"اسکول کے لیے کپڑے پریس کر رہی تھی۔"

"صبح تم اسکول سے سیدھی گھر آجانا' ٹیوشن پڑھانے مت جانا" انہوں نے کہا تو وہ استفہامیہ نظروں سے انہیں دیکھنے لگی۔

"دراصل کچھ لوگ آرہے ہیں تمہارے لیے میں نے عفت کی ساس سے ذکر کیا تھا' انہی کے کوئی جاننے والے ہیں۔"

"لیکن تائی اماں! آپ میرے لیے ایسا کچھ مت سوچیں" اس نے بے زاری سے کہا۔

"مگر کیوں؟۔" انہوں نے تعجب سے پوچھا۔

"بس تائی اماں! ابھی نہیں پلیز آپ ان کو منع کردیں میں فی الحال ایسی کسی بات کے لیے تیار نہیں ہوں۔"

اس کا لہجہ بہت قطعی تھا۔ تائی اماں نے انہیں ماں بن کر پالا تھا' اور کوئی ماں بیٹی کی آنکھوں میں اترنے والے خوابوں سے مکمل طور پر بے خبر نہیں ہوتی۔ انہیں بھی اس کی سوچوں کا کچھ کچھ اندازہ تھا۔ اور عمیر کے جانے کے دنوں میں اس کا ستا ہوا چہرہ اور متورم آنکھیں تو اس بات کا کھلا ثبوت تھیں پھر اس کے خطوط اور فون کا بے قراری سے انتظار' اور آواز سن کر یا خط پڑھ کر چہرے پر آنے والے رنگ ان سے کچھ بھی تو پوشیدہ نہ تھا۔

اور اب ان کا خیال تھا کہ شاید وہ خود کو اتنی جلدی کسی اور کے لیے آمادہ نہیں کر پا رہی کہ دل کے گھاؤ بھرتے بھرتے ہی بھرتے ہیں اسی لیے وہ کچھ دیر کے لیے خاموش ہو گئی تھیں۔

لیکن جب ہر بار اس کا یہی جواب ہوا تو انہیں تشویش ہوئی۔ انہوں نے بہت سمجھایا لیکن وہ اپنی بات پر ڈٹی رہی۔ اس کا کہنا تھا کہ اس کے سر پر عامر اور آمنہ کی ذمہ داری ہے وہ اس ذمہ داری کو پورے خلوص اور خوش اسلوبی سے نبھانا چاہتی ہے۔

"لیکن بیٹی! اگر یہ ذمہ داریاں نبھاتے نبھاتے تمہاری اپنی عمر نکل گئی تو ہم جیسے گھروں میں تو ویسے بھی اچھے رشتے مشکل سے ملتے ہیں اور جو ذرا سی بھی عمر نکل جائے تو رنڈوے اور بچوں والے کے رشتے آنے شروع ہو جاتے ہیں۔ بلکہ ایک وقت ایسا آتا ہے کہ وہ بھی ختم ہو جاتے ہیں مرد خود چاہے پچاس سال کا ہو لڑکی بیس کی ہی مانگتا ہے تمہیں تو اس وقت بھی اپنے گھر کی ہونا چاہیے تھا تم سے چھوٹی گھر بار اور بچوں والی ہو چکی ہیں۔ بس بیٹا! اب اور ضد نہ کرو گیا وقت ہاتھ نہیں آتا۔"

انہوں نے بڑی ملائمت سے زمانے کی اونچ نیچ سمجھائی تھی کہ شاید اس پر کچھ اثر ہو جائے۔

"اچھا تائی اماں! اس موضوع پر پھر بات کریں گے میں ذرا رات کے لیے کھانے کی تیاری کر لوں۔" اس نے یقیناً" اس موضوع سے بچنے کے لیے انہیں ٹالا تھا۔

Scanned with CamScanner

*_*_*

اس روز وہ عمر کو پڑھانے آئی تو اس کا پروگرام دوستوں کے ساتھ سفاری پارک جانے کا تھا۔

"آپ نے مجھے کل کیوں نہیں بتایا۔" عمر نے اسے بتایا تو اس نے کہا۔

"ہمارا پروگرام آج ہی بنا ہے۔" اس نے لاپروائی سے جواب دیا۔

"تو ڈرائیور کو کیوں بھیجا۔" اسے اپنا وقت ضائع ہونے پر کوفت ہو رہی تھی۔

"میں نے تو نہیں بھجوایا' وہ تو اپنی روٹین کے مطابق خود ہی چلا گیا۔"

اس نے جواب دیا۔ اس نے اپنی غلطی یا غلط رویے پر معذرت کرنا شاید سیکھا ہی نہ تھا ٹھیک اسی وقت آغا جمال کی گاڑی پورچ میں آکر رکی۔ اپنے کمرے میں جاتے ہوئے اس کی نظر لاؤنج میں پڑی تو ان دونوں کو وہاں کھڑے دیکھ کر وہ ادھر ہی چلا آیا۔

"اینی پرابلم؟۔"

"نتھنگ پاپا۔"

"تو پھر کھڑے کیوں ہیں؟۔"

"میں سفاری پارک جا رہا تھا کہ ٹیچر آگئیں وہی بتا رہا تھا ان کو۔

او کے میں جا رہا ہوں' خدا حافظ۔" اس نے عجلت بھرے انداز میں بتایا اور جواب سنے بغیر باہر نکل گیا جہاں ڈرائیور اس کا منتظر تھا' اس توہین آمیز رویے پر اسے افسوس تو ہوا لیکن اب وہ عادی ہو چکی تھی۔

"میں چلتی ہوں۔" اس نے اجازت طلب نظروں سے آغا جمال کو دیکھا

"کیسے جائیں گی آپ' ڈرائیور تو عمر کو چھوڑنے چلا گیا۔"

"میں ویگن سے چلی جاؤں گی۔"

"آپ کچھ دیر کے لیے بیٹھیں میں چھوڑ آتا ہوں آپ کو۔"

"نہیں' میں خود ہی چلی جاؤں گی۔" وہ فوراً" بولی۔

"اتنا تکلف کیوں کرتی ہیں آپ' بہت عرصہ ہو گیا ہے آپ کو یہاں آتے ہوئے اتنی دیر میں اتنا اعتماد تو ہونا چاہیے۔"

"ایسی بات نہیں ہے آپ غلط سمجھ رہے ہیں۔" وہ نادم ہو گئی۔

"تو پھر بیٹھیں ناں پلیز۔"

"اس قدر اصرار پر اسے اخلاقاً" بیٹھنا ہی پڑا اور اس کے بیٹھتے ہی اس نے ملازمہ سے چائے لانے کو کہہ دیا۔

"ابھی ابھی باہر سے آیا ہوں چائے کی شدید طلب ہو رہی ہے چائے پیتے ہی میں آپ کو چھوڑ آؤں گا۔"

"آپ کو خوامخواہ زحمت ہو گی۔"

"آپ بہت زیادہ ریزرو رہتی ہیں۔" اس نے کہا وہ جواب میں خاموش رہی۔

"اچھی لگتی ہیں۔ مجھے ایسی محتاط لڑکیاں۔" اس نے کہا تو اس کے معنی خیز لہجے پر صبا نے چونک کر اسے دیکھا وہ بڑی دلچسپی سے اسے دیکھ رہا تھا' سبز پرنٹڈ سوٹ میں ڈھیلی ڈھالی چٹیا باندھے وہ سانولی سلونی لڑکی اپنی تمام تر سادگی سمیت بہت دلکش اور سوبر لگ رہی تھی۔ آغا جمال کی آنکھوں میں ستائش و پسندیدگی کے رنگ اتنے واضح تھے کہ اس نے فوراً" پلکیں جھکا لیں۔

"آپ نے اپنے بارے میں کبھی کچھ نہیں بتایا۔" چائے کے دوران اس نے پوچھا۔

"بتانے والی کوئی خاص بات ہے ہی نہیں۔"

"میری مراد آپ کے فیملی بیک گراؤنڈ سے ہے۔" اس نے وضاحت کی۔

"میرے پیرنٹس کی ڈیتھ ہو چکی ہے ایک چھوٹی بہن اور بھائی ہے۔" اس نے مختصراً" بتایا۔

"اوہ ویری سیڈ' آپ اب اکیلی رہتی ہیں۔"

"جی نہیں۔ میرے تایا کی فیملی ہے' ہم لوگ شروع سے اکٹھے رہے ہیں۔"

"چلیں یہ تو آپ کے حق میں اچھی بات ہے بھائی کیا کرتا ہے۔"

"میڈیکل کے سیکنڈ ایئر میں ہے' اس کا فیوچر بن جائے یہی میرا Aim ہے۔" اس نے بڑے عزم سے کہا

"بائے دا وے' آپ نے اپنے فیوچر کے بارے

Scanned with CamScanner

میں کیا سوچا ہے؟"

"میرا فیوچر انہی دونوں سے وابستہ ہے۔"

"بہت اچھی سوچ ہے آپ کی قابل ستائش، لیکن کبھی کبھی انسان کو تھوڑا حقیقت پسند ہو کر سوچنا چاہیے۔" اس نے مدبرانہ انداز میں کہا۔

"میں سمجھی نہیں۔" اس نے الجھ کر اسے دیکھا۔

"بہن بھائیوں کے متعلق سوچنا آپ کا فرض ہے لیکن آپ کے متعلق سوچنا وقت کا فرض نہیں ہے وقت کسی کا دوست نہیں ہوتا، اور زندگی کی بہت سی شوخیاں مخصوص وقت کے ہاتھ میں ہوتی ہیں۔"

اس نے بہت پرسکون لہجے میں اپنی بات مکمل کی، وہ جو کہنا چاہ رہا تھا وہ اچھی طرح سمجھ گئی تھی۔ لیکن بنا مداخلت کیے سنتی رہی۔

"تنہائی بہت بڑا روگ ہوتی ہے مس صبا، یہ سب ذمہ داریاں تو شادی کے بعد بھی پوری کی جاسکتی ہیں۔ وہ بعد میں بھی آپ کے بھائی بہن ہی رہیں گے۔" اس نے اپنی دانست میں اچھا مشورہ دیا تھا۔

"آپ نہیں سمجھتے ان مسائل کو، ہمارے ہاں اکثر بیوی سے نوکری کروانا پسند نہیں کیا جاتا، اور اگر اجازت مل بھی جائے تو بھلا ایسا کون شخص ہوگا جو محض مجھے اس لیے جاب کرنے دے کہ میں اپنے بھائی بہن کی کفالت کرسکوں۔" اس نے اسے اس پہلو سے روشناس کروایا جسے وہ یقیناً جانتا تھا

"ایسا شخص آپ کے سامنے بیٹھا ہے۔"

"جی۔۔۔؟" اسے حیرت کا شدید جھٹکا لگا۔

"آپ کے محتاط رویے اور سادگی نے مجھے بہت انسپائر کیا ہے تنہا رہتے رہتے اکتانے لگا ہوں، زندگی کے اس موڑ پر مجھے ایسے ہی شائستہ و سوبر لائف پارٹنر کی ضرورت ہے، جو میرے دکھ سکھ شیئر کرسکے۔ اگر آپ کو اعتراض نہ ہو تو میں آپ کی تمام ذمہ داریوں و مسائل سمیت آپ کو اپنانے کی خواہش رکھتا ہوں، میرے پرپوزل پر خوب اچھی طرح سوچیے گا، زندگی میں بہت سے لوگ ملتے ہیں اور بچھڑ جاتے ہیں لیکن بہت کم لوگ ایسے ہوتے ہیں جنہیں دیکھ کر دل قدم سے قدم ملا کر چلنے کی خواہش کرتا ہے۔ میرے لیے آپ بھی ان ہی میں سے ایک ہیں، مجھے امید ہے آپ مجھے مایوس نہیں کریں گی۔"

اس کی بھاری آواز میں توقع ہی نہیں یقین کا عنصر بھی بہت نمایاں تھا۔ اور وہ تو حیران پریشان سی بیٹھی تھی۔ اسے توقع ہی کہاں تھی کہ آغا جمال جس سے محض اس نے دو چار دفعہ بات چیت کی ہے وہ اس کے متعلق اتنی سنجیدگی سے سوچے گا کہ پرپوزل ہی کردے گا واپسی پر راستے بھر وہ یہی سوچتی آئی تھی۔ اور اس نے اس کی سوچوں کو منتشر کرنا شاید مناسب نہیں سمجھا تھا، یوں تمام رستہ چپ چاپ کٹ گیا۔ لیکن اس کے گھر کے سامنے گاڑی روکتے ہوئے وہ چپ نہ رہ سکا۔

"اپنی زندگی کا فیصلہ کرتے وقت انسان کی پہلی ترجیح اس کی اپنی ذات ہونی چاہیے۔" اس کا لہجہ بہت ناصحانہ تھا۔

"آپ اندر نہیں آئیں گے۔" اس کی بات نظر انداز کرکے اس نے گاڑی سے اتر کر اخلاق نبھانے کی کوشش کی۔

"ابھی تو نہیں البتہ اگر آپ نے چاہا تو آپ کے گھر والوں سے ملنے پھر کبھی ضرور آؤں گا۔" اسے کوئی جواب نہ سوجھا تو چپ رہی۔

"مجھے ایسی کوئی جلدی نہیں ہے مس صبا! آپ خوب سوچ سمجھ کر فیصلہ کریں میں انتظار کروں گا، اوکے۔"

"خدا حافظ۔"

"خدا حافظ۔" اس نے ریورس گیئر لگایا۔ اور گاڑی بیک کرنے لگا تو وہ اندر آگئی۔

*_*_*

اس بات کو کئی روز ہوگئے تھے۔ بہت سوچا تھا اس نے اس کے متعلق اور بالآخر ایک فیصلے پر پہنچ گئی تھی۔ اور ایک روز جب وہ عمر کو پڑھا کر فارغ ہوئی تھی تو آغا جمال نے اپنے سوال کا جواب مانگ لیا تھا۔

"آپ میری تائی اماں سے بات کرلیں" اس نے جھکی نظروں سے نوید سنائی۔

"تو اس کا مطلب آپ راضی ہیں ویسے ایک بات بتائیں جتنا وقت آپ نے سوچنے کے لیے لیا ہے کیا

Scanned with CamScanner

اتنا ہی باقی افراد لیں گے اگر ایسا ہوا تو پھر تو شادی میں بہت وقت لگے گا۔" اس نے خوشگوار لہجے میں پوچھا۔
"تو کیا آپ جلدی چاہتے ہیں۔"
" میں تو چاہتا ہوں ' ایک ہفتے میں سب کچھ ہو جائے۔"
"مگر اتنی جلدی تو تیاری بھی نہیں ہو سکتی۔"
"تیاری کیسی 'لڑکیوں کو گھر بنانے کا شوق ہوتا ہے ' وہ تم بعد میں جیسا مرضی ڈیکوریٹ کر لینا۔ ہر چیز ہے میرے پاس 'جہاں تک کپڑوں وغیرہ کا تعلق ہے تو دو چار جوڑے بہت ہیں۔ اب پرانا زمانہ تو ہے نہیں کہ سو پچاس جوڑے جہیز میں رکھے جائیں آئے دن فیشن بدلے ہوتے ہیں۔ بعد میں ہر روز شاپنگ کر لیا کرنا مجھے کسی بھی چیز کی ضرورت نہیں ہے ' مجھے صرف تمہاری ذات نے متاثر کیا ہے مجھے امید ہے ہماری زندگی بہت اچھی گزرے گی۔ بہت جلد آؤں گا میں تمہارے گھر بات کرنے۔" وہ تو جیسے ساری پلاننگ کیے بیٹھا تھا۔
"نہیں ' ابھی نہیں ' پہلے میں خود ان سے بات کر لوں۔" اس نے منع کر دیا۔
"چلو ٹھیک ہے جیسے تمہاری مرضی" وہ فوراً راضی ہو گیا۔

*_*_*

تائی جان گرم مسالے کی چھان پھٹک کر رہی تھیں ' جب اس نے ان سے بات کی۔
"یہ کیا کہہ رہی ہو تم صبا۔" انہیں شاید اپنی سماعت پر شبہ ہوا۔
"میں ٹھیک کہہ رہی ہوں تائی اماں! آغا جمال نے مجھے پرپوز کیا ہے ' میرا مطلب ہے وہ آپ سے بات کرنا چاہتا ہے۔"
"جوان بیٹیوں کا باپ ہو کر ایسی بات کرتے ہوئے شرا۔۔"
"لیکن مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے تائی اماں۔" وہ ان کی بات کاٹ کر بولی تو وہ تعجب و بے یقینی سے اسے دیکھنے لگیں۔ جیسے اس کی دماغی حالت پر شبہ ہو۔
"نہ بیٹی! منع کر دے اسے 'یہ امیر لوگ دوسروں کی

مجبوریوں کا ایسا ہی سودا کیا کرتے ہیں۔" انہوں نے قدرے بے زاری و ناگواری سے کہا۔
"لیکن آپ سوچیں تو سہی تائی اماں۔"
"ایسی کیا مجبوری ہے کہ میں اس بوڑھے شخص کے لیے سوچوں۔"
"مجبوری نہیں تائی اماں! مصلحت سمجھیں وہ اچھا انسان ہے 'پڑھا لکھا ہے۔ دولتمند ہے اور سب سے بڑھ کر وہ خود طلبگار ہے اور ساری بات تو ذہنی ہم آہنگی کی ہوتی ہے عمروں کا فرق تو کوئی معنی نہیں رکھتا۔" وہ بڑی ملائمت سے انہیں سمجھانے کی کوشش کر رہی تھی۔
"تاں میری بچی! ایسی بھی آفت نہیں آئی کہ پھول سی بچی کو جوان بچوں والے مرد سے بیاہ دوں ' کیسی جگ ہنسائی ہو گی۔" وہ کہاں اتنی جلدی قائل ہونے والی تھیں۔
اگلے ہی روز انہوں نے خالہ کو بھی بلا لیا اور اب ان کے پیش نظر بھی وہی تمام اعتراضات تھے جو تائی اماں پیش کر چکی تھیں۔
"خالہ پلیز ' سمجھنے کی کوشش کریں۔ ان حالات میں اس سے بہتر شخص نہیں مل سکتا مجھے۔"
"کیوں نہیں مل سکتا۔ کیا کمی ہے تم میں؟ پڑھی لکھی ہو ' خوبصورت ہو سگھڑ ہو اور بھلا کیا چاہیے کسی کو۔ خالہ نے اسے محبت سے دیکھتے ہوئے ہر لحاظ سے سراہا۔
"یہی تو آپ نہیں جانتیں بہرحال آپ لوگ ٹھنڈے دل سے سوچیں ' میں نے بھی بہت سوچ سمجھ کر یہ فیصلہ کیا ہے۔"
"ایسی کون سی سوچ تھی جس نے اس شخص کے حق میں فیصلہ دیا ہے۔" خالہ نے کریدنے کی کوشش کی۔
"جن کے سر پر ماں باپ نہیں ہوتے ' انہیں بہت کچھ سوچنا پڑتا ہے ' مجھے آمنہ کی ماں اور عامر کا باپ بن کر ذمہ داریاں پوری کرنی ہیں ان کا فیوچر میرے ہاتھ میں ہے۔" اس نے بڑی سنجیدگی سے جواب دیا۔
"اور خود تمہارا۔۔۔۔" خالہ نے اسے سوالیہ

Scanned with CamScanner

نظروں سے دیکھا۔

"میرا کیا ہے وہ جو دل کی واحد خوشی تھا وہ تو کب کا کسی اور کا ہو چکا۔" اس نے آزردگی سے سوچا لیکن ہنستے ہوئے کہنے لگی۔

"اپنا مستقبل ہی تو سنوارنے جا رہی ہوں۔" مگر اس کی ہنسی کا ساتھ اس کی آنکھیں نہ دے سکیں۔

*_*_*

اس نے بھلا کب کبھی ایسا سوچا تھا تین بچوں کا باپ اور اس سے دگنی عمر کا شخص کسی بھی لڑکی کا خواب نہیں ہوتا، اور اس کے خوابوں میں تو ویسے ہی اک بہت نفیس اور دلکش شخص بستا تھا۔ لیکن خواب اور حقیقت میں بہت فرق ہوتا ہے خوابوں کے پیچھے بھاگنے والے محض اپنا ہی نقصان کرتے ہیں۔ اور حالات نے اسے بہت حقیقت پسند بنا دیا تھا۔ اتنا کہ اس کے سارے خواب کہیں بہت پیچھے رہ گئے تھے۔

حقیقت میں اسے اپنے لیے آغا جمال جیسے شخص کی ہی ضرورت تھی خالہ کہتی تھیں کہ اس میں کیا کمی ہے۔ اور وہ جانتی تھی کہ اس میں ایک نہیں بہت سی کمیاں ہیں۔

اچھے گھر میں جانے کے لیے سب سے پہلے میکے کا بیک گراؤنڈ ہونا ضروری ہے سسرال میں لڑکیوں کو میکے کا مان ہی تو سپورٹ کرتا ہے اور اس کے پیچھے کیا تھا ایک بھائی بہن جو ابھی خود اس کے محتاج تھے۔ جوان اور خوبصورت مرد کی خواہش بیس اکیس سال کی الہڑ لڑکی ہوتی ہے نہ کہ وہ اس جیسی اٹھائیس سالہ میچور عمر کی لڑکی کو پسند کرتا ہے۔

بھرے پرے گھر میں جانے والی لڑکی اگر اپنے ساتھ بھاری جہیز نہ لے کر جائے تو اسے قدر کی نگاہ سے کون دیکھتا ہے۔ ماں ہوتی تو نجانے کب سے اس کے لیے کچھ نہ کچھ جوڑنا شروع کر دیتی، لیکن اب تو اس کے پاس جہیز کے نام پر چند جوڑے بھی نہ تھے۔ اور جہیز تو دور کی بات وہ تو روایتی قسم کی شادی بھی افورڈ نہیں کر سکتی تھی۔ ابو کی وفات کے بعد ریلوے کی جانب سے جو واجبات ملے تھے، اس میں سے بہت سے پیسے عامر کے ایڈمیشن اور کتابوں پر خرچ ہو گئے تھے۔ اور باقی ماندہ رقم اس نے آمنہ کے لیے بچا رکھی تھی۔ اب تو پنشن کا سلسلہ بھی ختم ہو چکا تھا ان کے اخراجات اس کی تنخواہ اور ٹیوشن سے ہی پورے ہوتے تھے۔

اس کے پاس اگرچہ کچھ نہیں تھا لیکن انا اور خودداری بہت تھی، وہ کبھی کبھی سسرال والوں یا شوہر کے منہ سے اپنے میکے کی کم مائیگی کا طعنہ نہیں سن سکتی تھی۔ وہ کسی قسم کے احساس کمتری میں مبتلا ہو کر آئندہ زندگی نہیں گزارنا چاہتی تھی۔ اور اسی لیے صرف اسی لیے وہ ایسا شخص چاہتی تھی جو اس کے تمام تر حالات سے آگاہ ہونے کے باوجود اس کی مالی حیثیت کی پروا کیے بغیر اسے اپنانے کی خواہش رکھتا ہو جس کے نزدیک صرف اس کی ذات اولین ترجیح ہو جسے اس کی شخصیت کی کشش اپنا بنانے پر مجبور کرے۔ جس کے لیے صرف صبا احمد اہم ہو اور باقی سب غیر اہم۔

وہ محبتوں کی ترسی ہوئی تھی۔ بہت تشنہ تھی۔ بہت سی محرومیاں دیکھی تھیں اس نے، اور وہ چاہتی تھی کہ اس کی زندگی میں آنے والا شخص مکمل طور پر اس کی دسترس میں ہو، اس کا قدر دان ہو، اس کے دکھ سکھ شیئر کرے اور اسے اتنا تحفظ اور اتنی چاہت دے کہ اس کی ساری تشنگی ختم ہو جائے۔ اور وہ بہت ریلیکس ہو کر عامر اور آمنہ کے متعلق سوچ سکے۔ اور اسے لگتا تھا کہ اس کی بہت سی ڈیمانڈز و خواہشات آغا جمال پوری کر سکتا ہے، تبھی تو وہ سب کی مخالفت کے باوجود اپنی بات پر ڈٹی ہوئی تھی۔

اپنے سے متعلق اس نے تمام اختیارات تائی اماں کو سونپ رکھے تھے آغا جمال خود دو دفعہ ان کے پاس پیغام لے کر آیا تھا اور انہوں نے اسے مثبت جواب دے دیا تھا گو کہ وہ دل سے راضی نہ تھیں۔ خالہ بھی ایسی خوش نہ تھیں لیکن اب اس کی خواہش کو رد بھی تو نہیں کر سکتی تھیں، وہ باشعور اور سمجھدار تھی پڑھی لکھی تھی اپنا برا بھلا خود سوچ سکتی تھی۔ یہ تو اس کی فرمانبرداری اور سعادت مندی تھی کہ اس نے تمام اختیارات انہیں دے رکھے تھے۔ خالہ اور ماموؤں کے ہوتے ہوئے انہیں عزت دے رہی تھی۔

"دیکھو بیٹی! تمہاری خواہش بلکہ ضد کے پیش نظر

Scanned with CamScanner

میں نے اقرار کرلیا ہے مگر یقین جانو میں دل سے ذرا بھی خوش نہیں ہوں۔ کیا جواب دوں گی تمہارے ماں باپ کو۔" وہ بہت رنجیدہ تھیں۔

"تائی اماں! آپ کو کوئی جواب نہیں دینا پڑے گا۔ میں نے اپنے فیصلے پر آپ سے رضامندی لی ہے' آپ نے ہرگز کوئی زیادتی نہیں کی بلکہ مجھے خوشی ہے کہ آپ نے میری پسند' میری رائے کو اہمیت دی ہے۔"

"سچ پوچھو تو بیٹی! میں نے تو تمہارے لیے بہت کچھ سوچ رکھا تھا مگر انہوں نے ٹھنڈی آہ بھری بھلا ایسی پیاری بچی کسی غیر کو سونپنے کو جی چاہتا ہے۔" ان کے لہجے میں کتنے ہی ملال گھل گئے۔

"جو کچھ ہم سوچتے ہیں ویسے کا ویسا تو کبھی بھی عمل میں نہیں آتا' ہوتا تو وہی ہے جو روز ازل سے ہی کاتب تقدیر ہمارے نصیب میں لکھ چکا ہوتا ہے۔ میرے نصیب میں بھی یہی کچھ لکھا تھا اور اسی طرح ہونا تھا' بس آپ دعا کریں کہ جو خواب جو امیدیں و توقعات لے کر میں اس راہ پر نکلی ہوں ان کے چراغوں کی لو کبھی مدھم نہ پڑتے۔"

اس نے ان کے دونوں ہاتھ تھام کر بڑی رسانیت سے کہا۔

"میری ہر دعا تیرے ساتھ ہے بٹی۔" ان کی آنکھوں سے آنسو رواں ہوگئے تو اس کی اپنی پلکیں بھی بھیگنے لگیں۔ لیکن کمال ضبط سے وہ سارا نمکین پانی اپنے اندر جذب کر گئی۔

--*

ٹھنڈی یخ بستہ جسم کو چیر کر گزرنے والی ہوا سے بچنے کے لیے عمیر نے سیاہ اوور کوٹ کے کالر سے کانوں کو اچھی طرح لپیٹ لیا۔ کل رات شدید برف باری ہوئی تھی۔ سفید روئی کے گالوں نے اردگرد کی ہر شے کو اس طرح ڈھانپ رکھا تھا کہ ہر طرف اجلی اجلی دھلی دھیا چاندنی کا گمان ہوتا تھا۔ سردی کی شدت میں شدید اضافہ ہوگیا تھا لیکن اتنے سالوں میں وہ اجنبی دیار کے ان موسموں کی شدتوں کا عادی ہو چکا تھا۔ اپارٹمنٹ کی سیڑھیاں طے کرکے اوپر آیا تو دروازے پر لاک لگا ہوا تھا جس سے صاف ظاہر تھا کہ جینٹ اس کا انتظار کیے بغیر جاچکی تھی۔

ڈپلیکیٹ چابی سے لاک کھول کر اندر آیا تو دونوں بچیاں اطمینان سے سو رہی تھیں۔ ان معصوم پریوں کو یوں تنہا سوتے دیکھ کر اس کے دل کو کچھ ہوا تھا۔ جو جینٹ ان کے لیے ہی کچھ دیر انتظار کرلیتی اگر وہ معصوم بچیاں اکیلے میں نیند سے اٹھ کر ڈر جاتیں تو' لیکن شاید بچے بھی اپنے ماحول کے عادی ہوجاتے ہیں ۔ سردی کے باعث کافی کی شدید طلب ہو رہی تھیں۔ کچن میں آیا تو پلیٹ میں سینڈوچ رکھے تھے۔ اس نے مائیکرو اوون میں سینڈوچ گرم کیے۔ اسی دوران کافی بھی بن گئی۔ دونوں چیزیں اٹھائے وہ باہر آیا تو اس کی نظر ٹی وی کے اوپر رکھے نیلے لفافے پر پڑی۔ عفت کی ہینڈ رائٹنگ اس نے دور سے ہی پہچان لی تھی۔ پاکستان سے آنے والا ہر خط اس میں جیسے زندگی کی روح پھونک دیتا تھا۔

اب بھی اس نے لفافہ کھولا اور بے تابی سے پڑھنے لگا۔ لیکن جوں جوں نظریں تحریر کو چھوتی گئیں دھڑکنوں کی رفتار مدھم پڑتی گئی۔

"میں تو تم سے کوئی گلہ بھی نہیں کرسکتا صبا! میں کون سا تمہیں کسی وعدے کی زنجیر میں باندھ کر آیا تھا' کب اس کی ڈور کا کوئی سرا تمہارے ہاتھ میں تھما کر آیا تھا۔ کب کوئی سنہری ساعت' کوئی ریشمی لمحہ تمہارے حوالے کیا تھا اور میں کس برتے پر' کس امید پر تمہیں اپنی محبت کا پابند کرتا' تمہاری آنکھوں میں مچلتے ان گنت شکوے اور وقت رخصت وہ بھیگی پلکیں آج بھی اس دل پر پوری طرح نقش ہیں میں جانتا ہوں ۔ تم مجھ سے خفا ہو' میں تمہاری توقعات پر پورا جو نہیں اتر سکا' ہوسکے تو مجھے معاف کردینا صبا۔"

اس نے خط تہہ کرکے واپس لفافے میں ڈالا اور آنکھیں موند لیں۔

لیکن ہر طرف ایک ہی چہرہ تھا۔ وہاں ہر جگہ وہ موجود تھی۔ اس کی پریشانیاں بانٹتی ہوئی' اس کے حوصلے بڑھاتی ہوئی' کبھی نرم و شیریں لہجے میں اس کی تھکن دور کرنے کی سعی کرتے ہوئے تو کبھی تند و پرجوش باتوں سے اس کی مایوسیاں مٹاتی ہوئی۔ اپنے پر امید

Scanned with CamScanner

لفظوں سے اس کے مستقبل کی راہوں میں خوش آئند لمحوں کے دیے روشن کرکے صبا احمد خود بھی کتنے اجالے بکھیرتی لگتی تھی۔ اسے دیکھ کر احساس ہوتا تھا جیسے تاریکیاں ماند پڑنے لگی۔ ہوں کتنا قریب تھی وہ دل کے۔ اور کتنا دور ہو گئی تھی۔

دل کا درد بڑھنے لگا تو اس نے دھیان ہٹانے کو اپنی پسندیدہ کیسٹ لگا کر کیسٹ پلیئر آن کر دیا۔

کافی مگ میں پڑے پڑے برف بن چکی تھی۔ نیند اور بھوک کا احساس سرے سے غائب ہو چکا تھا وہ تھا' یادیں تھیں' اور تنہائی تھی اس کے علاوہ اگر کچھ تھا تو کچھ کھو دینے کا کربناک و تکلیف دہ احساس تھا' اور بس' پرائے دیس میں جیسے یہی سرمایہ حیات تھا۔

--*

تائی اماں نے تیاری کے لئے کچھ مہلت مانگی تھی۔ لیکن آغا جمال نے واضح طور پر منع کر دیا تھا۔ وہ ایک چیز بھی لینے پر آمادہ نہ تھا۔ اس نے تائی اماں سے صاف کہہ دیا تھا کہ جس چیز کی اسے خواہش تھی' وہ اس نے خود مانگ لی ہے۔ اس کے علاوہ اسے کچھ نہیں چاہیے وہ شادی کی تقریب بھی نہایت سادگی سے منعقد کرنا چاہتا تھا۔ خالہ کی رابعہ وغیرہ نے بہت احتجاج کیا تھا کہ شادی روایتی جوش و جذبے سے ہونی چاہیے لیکن صبا نے قطعی طور پر منع کر دیا تھا۔ تائی اماں بھی چپ کر گئی تھیں شاید جگ ہنسائی کے خوف سے۔

عامر ان دنوں بہت چپ چپ تھا اور آمنہ تو اس کے اس قدم سے باقاعدہ خفا تھی۔ اپنی اس ماں جیسی بہن کے حوالے سے اس کے دل میں بہت سے ارمان تھے لیکن اس نے اس کے تمام ارمانوں پر پانی پھیر دیا تھا۔

شادی سے ایک روز پہلے عفت' فرحت اور خالہ کی بیٹیاں آگئی تھیں اور اتنے ہنگامے میں بھلا اس کی کسی نے سنی تھی۔ سو سب اپنی مرضی کر رہے تھے۔

"کیوں بھئی خیر سے شادی ہو رہی ہے' خدانخواستہ کوئی سانحہ تو نہیں جو یوں چپ چاپ سب کچھ ہو جائے۔ چلو منگواؤ ڈھولک۔ میں دیکھتی ہوں صبا آپی کیسے روکتی ہیں ہمیں گانے بجانے سے۔"

عفت نے بڑے استحقاق سے کہا تھا۔ وہ شادی کے بعد خود کو بڑا سمجھنے لگی تھی۔ اور اب اس کے رعب میں بھی نہیں آتی تھی۔ اور اب اسی کی شہہ پر وہ سب ڈھولک سنبھالے شادی کے گیت گا رہی تھیں۔"

--*

نکاح نامے پر دستخط کرنے سے پہلے دل میں اک بھولا بسرا مصلحتوں کی تہہ میں سمٹا ہوا درد پوری شدت سے بیدار ہوا تھا لیکن اس نے اگلے ہی پل بلکتے سسکتے درد کے احساس کا گلا دبا دیا تھا اور تمام تر سچائی و خلوص نیت سے خود کو آغا جمال کے نام کر دیا تھا۔

اور یوں دلوں میں خاموشی سے پنپنے والی اک ادھوری ان کہی داستان ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دلوں کی پناہوں میں ہی مقید ہو کے رہ گئی تھی۔

--*

شادی کے ابتدائی دن ہنی مون کے نام پر انہوں نے پاکستان کے خوبصورت ترین شمالی علاقوں میں گزارے تھے۔ یہی وہ دن تھے جب وہ اک دوجے کے قریب آئے تھے۔ آغا جمال اسے حاصل کر کے اتنا ہی مطمئن تھا جتنا کوئی اپنی خواہش کی تکمیل کے بعد ہوتا ہے۔

ہنی مون سے واپس آنے کے بعد دن ایک تواتر سے گزرنے لگے۔ آغا جمال اپنے بزنس میں مصروف ہو گیا تو اس نے بھی اسکول جوائن کر لیا۔ اس شام وہ لاؤنج میں ٹی وی دیکھتے ہوئے ادھر ادھر کی باتیں کر رہے تھے جب آغا جمال نے اس کے اسکول کے بارے میں پوچھا۔

"کیسا جا رہا ہے تمہارا اسکول۔"

"حسب معمول بہت اچھا جا رہا ہے۔"

"میرا خیال ہے۔ اسکول چھوڑ دو۔" اس نے ریموٹ سے آواز آہستہ کرتے ہوئے بڑے سکون سے کہا۔

"اسکول چھوڑ دوں مگر کیوں۔۔۔" اس نے بہت تعجب سے اسے دیکھا "آپ کو میرے جاب کرنے پر

Scanned with CamScanner

اعتراض ہے کیا؟"

"اعتراض جاب کرنے پر نہیں ہے لیکن جاب بھی تو کوئی ڈھنگ کی ہو' آغا جمال کی بیوی کلرکی یا پرائیویٹ اسکول میں ٹیچنگ کرتی ہوئی اچھی لگے گی کیا۔" اس نے وضاحت کی۔

"میں پہلے بھی پرائیویٹ اسکول میں ٹیچر ہی تھی۔" اس نے لفظ ٹیچر پر زور دے کر کہا' اسے اس کی بات خاصی ناگوار گزری تھی۔

"پہلے صرف ٹیچر تھیں' اب بیگم آغا جمال بھی ہو۔" وہ مسکرایا۔

"تو پھر کیا کروں؟"

"تم ایسا کرو کسی آفس میں جاب کرلو' اونچے طبقے کی لڑکیاں اکثر شوقیہ یا محض وقت گزارنے کو اس طرح کی جاب کرلیتی ہیں۔ میں اپنے کسی دوست سے بات کرکے چند دن میں تمہیں اچھی سی جاب دلوا دیتا ہوں۔" اس نے اپنی دانست میں بڑا مناسب مشورہ دیا۔

"لیکن مجھے درس و تدریس کا پیشہ ہی اچھا لگتا ہے بہت مقدس و مہذب پیشہ ہے' میں اسے ہرگز نہیں چھوڑنا چاہتی۔" اس نے بھی اپنے خیالات ظاہر کردیے۔

"ہوں۔" وہ سوچ میں پڑ گیا پھر کچھ سوچ کر بولا۔

"تمہاری تعلیم کتنی ہے۔"

"اکنامکس میں ماسٹرز کیا ہے میں نے۔"

"ویری گڈ پھر تم کسی کالج میں ٹرائی کیوں نہیں کرتیں۔"

"کیا تھا اپلائی شروع شروع میں۔"

"پھر؟"

"سفارش نے مات دے دی۔"

"پھر سمجھو کہ کالج میں تمہاری جاب پکی ہوگئی۔" اس نے بڑے یقین سے کہا۔

"مگر کیسے؟"

"یہ سوچنا تمہارا کام نہیں' تم اپنے ڈاکومنٹس مجھے دے دینا اور بس جیسے ہی کوئی ویکنسی نکلے گی۔ سمجھ لو اس پر تمہارا ہی تقرر ہوگا۔" اس نے پورے وثوق سے کہا۔

"اگر ایسا ہوجائے تو بہت اچھی بات ہے۔" وہ بشاشت سے مسکرا کر بولی۔

"ایسا ہی ہوگا۔" اس کا لہجہ بے حد پراعتماد تھا۔

*_*_*

وہ بظاہر بہت نرم خو اور شائستہ مزاج نظر آتا تھا لیکن شادی کے بعد ان تین چار مہینوں میں ہی صبا نے جان لیا تھا کہ اندر سے وہ خاصا ہٹ دھرم اور ضدی شخص ہے۔ اسے اپنی بات منوانا خوب آتا ہے۔

اور اس کے علاوہ اس تمام عرصے میں جو بات اس نے محسوس کی تھی' وہ یہ تھی کہ اس نے صبا سے شادی تو کرلی تھی۔ لیکن وہ اس شادی پر کچھ نادم سا تھا۔ یوں جیسے جذبات میں آکر اچانک کوئی فیصلہ کرلیا جائے لیکن بعد میں اپنے ہی کیے پر نظرثانی پڑے' وہ صبا کو اپنی تنہائی بانٹنے کے لیے بیوی بنا کرلے تو آیا تھا لیکن اندر سے شاید خوفزدہ تھا۔ صبا نے محسوس کیا تھا کہ وہ اپنے بیٹوں سے خاصا دبتا ہے۔ شادی کے موقع پر اس کا کوئی بیٹا یا کوئی رشتے دار شریک نہ ہوا تھا حتیٰ کہ اس نے عمر کو بھی ان دنوں چھٹیوں کے باعث گاؤں بھجوا دیا تھا' بعد میں صبا نے ایک دو بار اس کے گاؤں جانے کی خواہش کا اظہار کیا تھا لیکن وہ ٹال گیا تھا۔

اور ایک روز اس نے صاف منع کردیا تھا یہ کہتے ہوئے۔

"اب اس عمر میں میں نئی نویلی دلہن کو ساتھ لے جاتے اچھا لگتا ہوں' وہاں رشتے میں کئی میری بیٹیاں ہیں کئی بہوئیں ہیں۔"

اور صبا نے حیرانگی سے سوچا تھا کہ رشتے میں تو ہمیشہ ہی وہ بہوئیں بیٹیاں اور وہ اس کی دوسری بیوی ہی رہے گی پھر بھلا ابھی یا کبھی سے کیا فرق پڑتا ہے۔ لیکن اس نے بحث کرنا مناسب نہ سمجھا تھا' سو چپ کر گئی تھی۔

*_*_*

"پپا! میں کچھ دنوں کے لئے اسکول کے ساتھ مری جارہا ہوں۔" ناشتے کی ٹیبل پر عمر نے آغا جمال سے کہا۔

"تمہاری پڑھائی کیسی جارہی ہے؟"

"اسکول ٹرپ کے ساتھ اسٹڈی کا کیا تعلق پاپا!"

Scanned with CamScanner

اس نے بگڑ کر پوچھا۔

"بھئی اگر تمہاری اسٹڈی اچھی ہو گی تو تمہیں ٹرپ پر جانے کی اجازت دوں گا۔" اس نے سلائس پر مکھن لگاتے ہوئے جواب دیا۔

"اسٹڈی کے متعلق آپ ٹیچر سے پوچھیں' یہ مجھ سے بہتر جانتی ہوں گی۔" اس نے صبا کی طرف اشارہ کیا۔

"بہت اچھا جا رہا ہے' اس دفعہ بھی پچھلی دفعہ کی طرح بہت اچھے نمبروں سے پاس ہو گا لیکن ایک بات ہے عمر۔"

آغا جمال کو مطمئن کر کے اس نے عمر کو مخاطب کیا تو وہ سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔

"اب میں آپ کی ٹیچر نہیں ہوں بلکہ ماما ہوں۔ یہ بات میں پہلے بھی آپ سے کہہ چکی ہوں کہ اب مجھے ٹیچر مت کہا کرو۔"

اس نے بڑی ملائمت سے کہا تھا۔ لہجے میں اس کے لیے بے حد شفقت تھی۔

"آپ پہلے بھی مجھے پڑھاتی تھیں۔ اب بھی پڑھاتی ہیں آپ کے اس گھر میں رہنے یا نہ رہنے سے مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا' لہٰذا آپ پہلے بھی میری ٹیچر تھیں اب بھی ٹیچر ہیں۔ میری مما مر چکی ہیں اور ان کی جگہ آپ نہیں لے سکتیں۔"

اتنے سے بچے کے منہ سے اس طرح کے الفاظ سن کر وہ حیران رہ گئی۔ لیکن الفاظ سے زیادہ اس کا لہجہ روڈ تھا۔ وہ اس سے یوں مخاطب تھا جیسے کسی معمولی ملازمہ سے بات کر رہا ہو۔

اس نے شاکی نظروں سے آغا جمال کی طرف دیکھا۔ مگر وہ تو بڑا نارمل ناشتا کر رہا تھا۔

"آج کے بچے بہت اسٹریٹ فارورڈ ہیں۔ حیران ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ نئی جنریشن ہم سے بہت فاسٹ ہے۔ تم آرام سے ناشتا کرو۔"

آغا جمال نے بے حد اطمینان و سکون سے بڑے عام سے لہجے میں کہا۔ اس کا خیال تھا۔ وہ عمر کو اس کے لب و لہجے پر سرزنش کرے گا یا پھر پیار سے سمجھائے گا یا کم از کم اس کی بدتمیزی پر شرمندگی ضرور محسوس کرے گا لیکن اسے تو جیسے احساس ہی نہ ہوا تھا۔

"کب جا رہا ہے تمہارا ٹرپ۔" اس نے عمر سے پوچھا تو وہ ہاتھ پونچھ کر ٹیبل سے اٹھ گئی۔ طبیعت ایکدم مکدر سی ہو گئی تھی۔

*_*_*

جاتی گرمیوں کی بڑی خوبصورت سی شام بہت آہستگی سے کائنات پر اترنے کے لئے پر تول رہی تھی۔ نرم سبک رفتار ہواؤں میں مختلف پھولوں کی مہک رچی ہوئی تھی۔ وہ بڑے خوشگوار موڈ میں لان میں چائے پی رہے تھے۔

آغا جمال کے پاس اس قسم کی فراغت ذرا کم ہی ہوتی تھی۔ کچھ وہ بھی جاب کی وجہ سے مصروف رہتی تھی۔ جب سے کالج میں لیکچرر ہوئی تھی۔ ذمہ داریاں بھی بڑھ گئی تھیں ویسے بھی وہ اس پیشے کو نوکری نہیں بلکہ اپنا فرض اور ذمہ داری سمجھ کر پورے خلوص و دیانتدارے سے نبھاتی تھی۔ وہ سمجھتی تھی' جو کچھ اس نے حاصل کیا ہے یا اپنے اساتذہ سے سیکھا ہے۔ وہ اس پر قرض ہے۔ اور اسے یہ سب اگلی جنریشن کو سود سمیت واپس لوٹانا ہے۔ اور اسی لیے اس کی مصروفیات میں بھی اضافہ ہو گیا تھا۔ اور ایسے میں جب کبھی کبھار ان دونوں کے پاس ٹائم ہوتا تو اکٹھے بیٹھنا اچھا لگتا تھا۔

چائے کے دوران اس کا فون آ گیا تو وہ موبائل پر مصروف گفتگو ہو گیا۔ اور وہ چائے کی چسکیاں لینے لگی۔ اچانک کوئی چیز اس کے قریب آ کر گری۔ اس نے چونک کر دیکھا۔ سفید شٹل کاک عین اس کے پاؤں کے قریب پڑی تھی۔ اس نے باؤنڈری سے ادھر دیکھا۔ چھ سات سال کا خوب صورت سا بچہ باؤنڈری وال کے اوپر سے جھانک رہا تھا۔ اس کی نظریں یہاں وہاں کچھ تلاش کر رہی تھیں۔

"یہ ڈھونڈ رہے ہو!" وہ شٹل کاک اٹھا کر اس کے پاس گئی۔

"جی آنٹی!" اس نے خوش ہو کر اثبات میں سر ہلایا۔

"لیکن ایک شرط پر ملے گی۔"

Scanned with CamScanner

"وہ کیا؟"
"پہلے میں تمہیں پیار کروں گی۔" یہ کہتے ہوئے اس نے اس کے گلابی گال چوم لیے تو اس نے فوراً ہی ہاتھوں سے گال صاف کیے جیسے بہت کوفت ہوئی ہو۔ اس کے انداز پر وہ بے ساختہ ہنس پڑی۔
"کیا نام ہے تمہارا؟" اس نے یونہی بات کرنے کو پوچھا۔
"حمزہ۔"
"اس سے پہلے تو کبھی نہیں دیکھا تمہیں یہاں!"
"یہ میری آنٹی کا گھر ہے۔ ہم آج ہی آئے ہیں۔"
"او تو آپ یہاں مہمان ہیں۔ پھر تو حمزہ صاحب یہ لیجیے اپنی شٹل کاک۔"
"تھینک یو آنٹی۔"
"ویلکم!" اس نے کہا تو وہ خوش خوش واپس ہو گیا اور وہ مسکراتے ہوئے واپس آ گئی۔ آغا جمال فون آف کر چکا تھا۔ اور بڑے غور سے اسے دیکھ رہا تھا۔
"کون تھا!" وہ بیٹھی تو اس نے پوچھا۔
"ساتھ والوں کے ہاں مہمان آئے ہوئے ہیں، بہت پیارا بچہ تھا!"
"تمہیں بچوں سے بہت محبت ہے!" آغا جمال نے پوچھا۔
"بہت زیادہ۔ بہت معصوم اور سچے ہوتے ہیں۔ رنگ پھول اور خوشبو کی طرح یہ بھی کائنات کی خوب صورتی کا ایک حصہ ہوتے ہیں۔ ان سے بھلا کون نہیں پیار کرتا، اور پھر خصوصاً ایک عورت!" وہ اس کے معصوم انداز پر پھر سے مسکرا دی۔
"پھر تو تمہیں بھی بچوں کی خواہش ضرور ہو گی۔"
"جی۔" اس نے بے حد الجھ کر اس کی جانب دیکھا۔ کیسا عجیب سوال کر رہا تھا وہ بھلا کون بیاہتا عورت ہو گی جسے بچوں کی خواہش نہ ہو۔
"دراصل صبا! میں تمہیں کسی مشکل میں نہیں ڈالنا چاہتا۔ اسی لیے ابھی اسے ذہن نشین کر لو کہ مجھے بچے کی خواہش ہے نہ ضرورت" اس کا انداز بے حد قطعی تھا۔
"مگر کیوں؟" وہ ششدر رہ گئی۔

"کیونکہ میرے پہلے سے ہی تین بیٹے موجود ہیں۔"
"مگر۔"
دیکھو صبا! سمپل سی بات ہے۔ اب اس عمر میں جبکہ میرا بیٹا بھی شادی کر چکا ہے، میں باپ بنتا اچھا لگوں گا۔ اور پھر ہم زمینوں، جاگیروں والے لوگ ہیں۔ اور سگے سوتیلے کے چکر میں جائیداد کے بہت سے جھگڑے جنم لے لیتے ہیں۔ میں نہیں چاہتا کہ تنویر، توقیر اور عمر کے علاوہ اب مزید کوئی وارث پیدا ہو اور یہ بات تو یقیناً ان تینوں کو بھی ناگوار گزرے گی۔ توقیر کو تو ویسے بھی زمین جائیداد سے بڑی محبت ہے۔"
وہ اپنی دانست میں بہت ٹھوس جواز پیش کرتے ہوئے اسے بہلانے سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اور وہ تو جیسے ساکت ہو کر رہ گئی تھی، مگر اس کی آنکھوں میں تعجب، بے یقینی و تاسف کے آثار اس قدر واضح تھے کہ آغا جمال کو نگاہ چرانی پڑی۔

*_*_*

آمنہ کو چھوٹے ماموں نے اپنے بیٹے نوید کے لیے مانگا تھا۔ صبا کی آغا جمال سے شادی کے بعد ان کے رویے میں بڑی مثبت تبدیلی آئی تھی۔ اور یقیناً یہ خالہ کی باتوں کا اثر تھا۔
دراصل صبا کی دفعہ دونوں ماموؤں نے آغا جمال کے رشتے پر شدید ناگواری و ناپسندیدگی کا اظہار کیا تھا، انہوں نے نکاح کے روز ہی اسے دیکھا تھا۔ اور اس وقت چھوٹے ماموں نے خالہ کو علیحدگی میں لے جا کر شدید برہمی کا اظہار کیا تھا۔
"میری تو سمجھ میں نہیں آتا۔ تم دونوں کو ہو کیا گیا ہے۔ کیا تمہیں اس کی عمر بھی نظر نہیں آئی۔ کل کی بچی کے لیے یہ بوڑھا ہی ملا تھا تم لوگوں کو۔ کچھ تو سوچا ہوتا!" وہ بڑے غصے سے کہہ رہے تھے۔
"وہ بہت سمجھدار بچی ہے۔ اپنے حالات کو دیکھتے ہوئے اس نے بہت سوچ سمجھ کر فیصلہ کیا ہے!" خالہ نے بات ختم کرنی چاہی۔
"ایسی کون سی قیامت آ گئی تھی۔ ہم مر گئے تھے! کیا۔ لیکن ہم سے پوچھنا تو دور کی بات کسی نے بتانے

Scanned with CamScanner

تک کی زحمت گوارا نہیں کی۔ بھائی جان کو بھی بہت افسوس ہے' بلکہ بہت ناراض ہو رہے ہیں وہ۔"
ماموں نے یوں کہا جیسے آج تک اس گھر کی یا ان بچیوں کی انہوں نے پوری خبر رکھی ہو۔ ہر موقع پر ان کی بھرپور مدد کی ہو۔
"اب بس کریں بھائی جان!" خالہ نے ہاتھ اٹھا کر انہیں روک دیا۔ ان کا یہ استحقاق بھرا انداز انہیں ذرا نہ بھایا تھا۔
"تو کیا ہمیں اعتراض کرنے کا بھی حق نہیں ہے۔ کیا ہم ذرا سی پوچھ گچھ بھی نہیں کر سکتے۔" ماموں کو غصہ آگیا۔
"بس رہنے دیجیے اپنی ہمدردیاں۔ جتنا اب تک آپ دونوں ماموؤں نے پوچھ لیا۔ اتنا ہی بہت ہے۔ اور یہ بھائی جان کو کیوں افسوس ہو رہا ہے اور کس بات پر ناراض ہو رہے ہیں وہ۔ اپنے دونوں ہونہار بیٹوں کو غیروں میں بیاہتے ہوئے تو انہیں بھانجیاں یاد نہیں آئی تھیں۔ اب انہیں کیسے احساس ہو گیا کہ وہ ماموں ہیں اور انہیں ناراض بھی ہونا چاہیے۔ افسوس بھی کرنا چاہیے۔ اور اس وقت آپ کو جو اتنی ہمدردی ہو رہی ہے ناں تو جب آپ کی باری آئے گی نا نوید کو بیاہنے کی تو آپ بھی بھول چکے ہوں گے کہ اس گھر میں ایک اور بیٹی بھی ہے۔ اور وہ بھی آپ کی بھانجی ہے۔ اس بہن کی بیٹی جو آپ سے بہت پیار کرتی تھی۔ ہاں اگر کل کو اس کے نصیب میں بھی کوئی ایسا ہی بال بچوں والا لکھا ہوا تو آپ وقتی طور پر برہم ہو کر ماموں ہونے کا حق ضرور ادا کر جائیں گے۔"
خالہ کے اندر ان کی بے حسی و بے اعتنائی کے خلاف جو لاوا کب سے پک رہا تھا' سارے کا سارا باہر آگیا۔ اس وقت تو ماموں خاموش ہو گئے تھے۔ لیکن ان کی باتوں نے یقیناً" انہیں آئینہ دکھا دیا تھا اور اب نوید کے لیے انہوں نے سچ مچ آمنہ کا ہی انتخاب کر لیا تھا بلکہ یہاں تک کہہ دیا تھا کہ وہ جہیز کے لیے ہرگز کسی قسم کا تردد نہ کریں۔
اور تھوڑے ہی دنوں میں آمنہ کی انگلی میں نوید کے نام کی انگوٹھی پہنا دی گئی تو صبا کے اندر تک خوشی و سرشاری کی لہریں سرایت کر گئیں۔

--*

حسب معمول اس نے سونے سے پہلے کچن کا جائزہ لیا۔ ہر چیز اپنے ٹھکانے پر رکھی۔ مطمئن ہو کر اس نے لائیٹ آف کی اور باہر آگئی۔ لاؤنج کے داخلی دروازے کا لاک چیک کر کے اس نے تمام لائٹیں بند کیں اور بیڈ روم میں آگئی۔ ٹی وی آن تھا۔ آغا جمال بیڈ پر بیٹھ کر کسی فائل کا جائزہ لے رہا تھا۔
"صبا! تم ایسا کرو۔ چند دن کے لیے اپنے گھر رہنے چلی جاؤ!"
وہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھی اپنے ہاتھوں پر لوشن لگا رہی تھی۔ آغا جمال کے اس جملے پر حیرت سے پلٹی۔
"رہنے چلی جاؤں۔ وہ بھی چند دن کے لیے۔ مگر اچانک اس قدر مہربانی کیسے۔"
اس کی آنکھوں میں تشکر و خوشی کا احساس ہلکورے لینے لگا۔ جبکہ لہجے میں استعجاب و نمایاں تھا' اس التفات پر حیرت ہونا یقینی تھی کہ آغا جمال نے اسے بہت مجبوری کی حالت میں بھی ایک آدھ روز سے زیادہ وہاں ٹھہرنے کی اجازت نہ دی تھی۔ عفت اور فرحت رہنے آئی تھیں تو کتنا دل چاہتا تھا کہ وہ بھی دو ایک روز ان کے ساتھ مل کر رہے لیکن آغا جمال کو پسند نہ تھا۔ لیکن اب وہ خود کہہ رہا تھا' اسی لیے وہ خوشی کے احساس سے مسرور ہونے کے باوجود اس مہربانی کا پس منظر پوچھ بیٹھی تھی۔
"دراصل بات یہ ہے کہ توقیر کا فون آیا تھا۔ وہ چند روز کے لیے یہاں آرہا ہے۔ ویسے تو وہ زیادہ تر گاؤں میں ہی رہتا ہے لیکن اکثر یہاں کا بھی چکر لگا لیتا ہے۔ مگر جب سے میں نے تم سے شادی کی ہے' وہ یہاں نہیں آیا۔ در حقیقت وہ میرے اس فعل پر خاصا برہم اور مجھ سے ناراض ہے۔ اب بھی نے بڑی مشکل سے اسے منایا ہے لیکن مان جانے کے باوجود اس کے لیے یہ بات شدید ناگوار اور ناپسندیدہ ہی ہے۔ وہ شروع سے ہی ایسا ہے۔ کوئی بھی بات خلاف مزاج ہو جائے تو ہنگامہ کھڑا کر دیتا ہے۔ اپنے حقوق لینا اور ان کی

Scanned with CamScanner

حفاظت کرنا وہ خوب جانتا ہے۔ میری بے جی کہتی تھیں۔ وہ اپنے دادا پر گیا ہے۔ وہ بھی ایسے ہی تھے!"

"لیکن ان سب باتوں سے میرا کیا تعلق۔ مجھے کیوں بھجوا رہے ہیں۔"

اس نے اکتا کر پوچھا۔ ساری خوشی جھاگ کی طرح بیٹھ گئی تھی۔ اسے اس کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں کو جاننے کا ہرگز شوق نہ تھا۔ اسی لیے وہ بات کاٹ کر بے زاری سے پوچھنے لگی۔

"دیکھو، بات کو سمجھنے کی کوشش کرو، ایک تو وہ پہلے ہی اکھڑا اکھڑا اور ناراض ہے۔ اس پر ہو سکتا ہے تمہیں یہاں موجود دیکھ کر اس کا موڈ مزید خراب ہو جائے!"

"تو کیا وہ جب بھی یہاں آئے گا۔ مجھے اپنا گھر چھوڑ کر یونہی چھپتے پھرنا ہوگا۔"

اس نے بڑے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا، اس احساس سے ہی اسے کوفت ہونے لگی تھی کہ اس کی یہاں موجودگی کسی کے بگڑتے موڈ کو مزید خراب کرنے کا باعث بن سکتی ہے۔ گویا وہ اپنے ہی گھر میں رہنے کے لیے دوسروں کے موڈ کی پابند تھی۔ اگر یہی سچ تھا تو پھر اس کی کیا حیثیت تھی کیا مقام تھا۔

"اس میں چھپتے پھرنے کی کیا بات ہے۔ کیا لڑکیاں اپنے میکے جا کر رہتی نہیں ہیں۔" آغا جمال نے اس کے لہجے کی کڑواہٹ کو محسوس کر کے کہا۔

"ضرور رہتی ہیں۔ مگر اپنی خوشی و رضا سے۔ کسی کے خوف سے نہیں!" اس نے دوبدو جواب دیا۔

"تم کچھ بھی کہو، فی الحال بہتری اسی میں ہے کہ تم چند دن کے لیے یہاں سے چلی جاؤ۔ دو چار دن تک اس کا پروگرام ہے۔ آنے سے پہلے وہ فون کرے گا تم تیاری کر لو!"

اس نے حتمی لہجے میں کہتے ہوئے سائیڈ پر رکھا ریموٹ اٹھایا اور چینل بدل بدل کر پسندیدہ پروگرام ڈھونڈنے لگا۔ گویا اس کے حکم میں کسی ترمیم کی ہرگز گنجائش نہ تھی، صبا کھولتے ذہن کے ساتھ کروٹ بدل کر لیٹ گئی۔ اور اپنے جانے کے متعلق سوچنے لگی۔

لیکن اس کی جانے کی نوبت ہی نہ آئی اور وہ اگلے ہی روز بغیر فون کیے اچانک ہی آ گیا۔

"تو تم ہو وہ ٹیچر جسے ہم نے عمر کو پڑھانے کے لیے رکھا تھا!" اس کا سامنا سب سے پہلے صبا سے ہی ہوا تھا۔ آغا جمال آفس میں تھا اور عمر اپنے کمرے میں غالباً سو رہا تھا۔

"آؤ بیٹھو اتنی دور سے آئے ہو۔ تھوڑا ریلیکس ہو جاؤ۔ پھر آرام سے باتیں کریں گے۔"

اس نے صوفے کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا تو وہ ایک ناقدانہ سی نظر اس پر ڈالتے ہوئے نرم صوفے میں دھنس گیا۔

"کیا پیو گے ٹھنڈا یا گرم!" اس نے بے حد ملائمت و اپنائیت سے پوچھا تھا۔ بہار کا دلکش موسم اپنے جوبن پر تھا۔ ٹھنڈا یا گرم دونوں ہی چل سکتے تھے۔ اسی لیے اس نے چوائس پوچھنا ضروری خیال کیا تھا۔

"دنیا میں جب کسی کو احساس ملکیت کا طعنہ دیا جاتا ہے تو کہا جاتا ہے کہ فلاں چیز تمہارے باپ کی ہے کیا؟ گویا پورا پورا حق و اختیار صرف اپنے باپ کی جاگیر پر ہوتا ہے۔ اور یہ میرے باپ کا گھر ہے۔ یعنی میرا اپنا گھر۔ لہٰذا آپ خوامخواہ مہمانداری نبھانے کی کوشش نہ کریں، گھر میں ملازم موجود ہیں ایک آواز پر بھاگے چلے آئیں گے۔ اور مجھے جو چاہیے ہوگا۔ میں خود منگوا لوں گا۔"

لب و لہجے میں نہ صرف مالکانہ احساس بلکہ رعونت اور تفاخر بھی تھا۔

"تم نے شاید کبھی گھر کا ماحول نہیں دیکھا۔ جب بھی کوئی مرد دور دراز سے یا پھر کام سے تھکا ہارا گھر لوٹتا ہے تو گھر کی عورتیں ماں، بہن بیٹی یا بیوی ہی اسے چائے پانی یا کھانے کا پوچھتی ہیں۔ اور اس کی مطلوبہ شے لا کر سامنے بھی رکھتی ہیں۔ اس سے کبھی بھی اس کے احساس ملکیت کی نفی نہیں ہوتی بلکہ ان کے دلوں میں اس کے مقام و مرتبے کا تعین ہوتا ہے۔ اور ان چھوٹی چھوٹی خاطر داریوں کو مہمانداری نبھانے کی زحمت بھی نہیں کہا جاتا۔ بلکہ یہ تو فرائض کی ادائیگی اور محبتوں کا قرض ہوتا ہے، جو گھر میں رہنے والے افراد

Scanned with CamScanner

اک دوسرے کو وقتاً "فوقتاً" مختلف شکلوں میں لوٹاتے رہتے ہیں!"

اس کے رعونت تفاخر و تنفر بھرے انداز کو قطعی طور پر نظر انداز کر کے اس نے بے حد رسانیت و شفقت سے جواب دیا۔ اس کا لہجہ بالکل ایسے تھا جیسے کسی ضدی و خود سر بچے کو نرمی سے کچھ سمجھانے یا کسی بات سے باز رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

"ہاہاہا!" اس نے بڑی بے ہودگی سے قہقہہ لگاتے ہوئے کرتے کی جیب سے گولڈ لیف کی ڈبیا اور لائٹر نکالا۔

"اپنی بات کی نفی و تردید تم نے خود ہی کر دی۔ ماں بہن بیٹی یا بیوی ان چاروں میں سے کس رشتے کی حیثیت سے تم مجھ سے پوچھ رہی ہو۔"

اس نے تمسخرانہ سی نظر اس پر ڈالتے ہوئے سگریٹ ہونٹوں میں دبا کر لائیٹر کا شعلہ دکھایا اور ایک لمبا کش کھینچ کر دھواں فضا میں چھوڑ دیا۔ اس کا ہر فعل، ہر ادا اس بات کی غمازی کر رہی تھی کہ وہ انتہائی گستاخ، خود سر اور اکھڑ شخص ہے۔ جسے تمیز چھو کر نہیں گزری اور تعلیم اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکی۔

"معین تو کہتا تھا۔ تم بے حد شریف گھر کی بہت اچھی لڑکی ہو۔" اس نے فرناز کے بھائی کا حوالہ دے کر کہا جس نے اسے یہاں ٹیوٹر رکھوایا تھا۔ صبا نے بے حد الجھ کر استفہامیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"مگر تم تو۔۔۔" وہ کش لگانے کو رکا۔ پھر دھواں فضا میں چھوڑتے ہوئے اپنی بات کو جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"کوٹھی کار دیکھتے ہی پھسل گئیں۔ عمروں کا فرق بھی اگنور کر گئیں لیکن تمہارا بھی قصور نہیں ہے۔ دراصل میڈیا نے مڈل کلاس لڑکیوں کے خواب بہت اونچے کر دیے ہیں۔ ورنہ تمہارے لیے تو تمہارے اپنے ہی خاندان سے کوئی نہ کوئی میسر ہو سکتا تھا۔"

اس نے بے حد ضبط کا مظاہرہ کرنے کی کوشش کرتے ہوئے بڑی تپتی سلگتی نظر اس پر ڈالی۔

"مجھے افسوس ہے کہ تم مجھ سے اس طرح مخاطب ہو۔ کیا تمہیں اتنا بھی احساس نہیں کہ تمہارے میرے بیچ ایک احترام کا رشتہ ہے۔" اسے سچ مچ افسوس ہوا تھا۔

"اوہ رشتہ۔ تو اب آپ ہمیں رشتوں کا احترام کرنا سکھائیں گی۔ تم تو واقعی بہت اچھی استانی ہو۔ بہر حال میری ایک بات غور سے سن لو۔ جو رشتہ تم نے بابا سے استوار کیا ہے۔ اسے یہیں تک محدود رکھنا۔ مزید پھلنے پھولنے مت دینا!" اس نے ذرا سا آگے جھک کر راکھ جھاڑی۔

"کیا مطلب؟" وہ بہت کچھ سمجھ کر بھی نہ سمجھی تھی کہ جو مطلب اس کے ذہن نے اخذ کیا تھا۔ اسے اس کی توقع نہ تھی۔

"مطلب بہت سادہ ہے۔ آغا جمال کے تین بیٹے اس کی جائیداد کے وارث ہیں۔ اس میں کسی چوتھے کی گنجائش ہرگز نہیں ہے!"

"بہت ہی گھٹیا و پست ذہنیت کے مالک ہو تم!" احساس توہین سے اس کا چہرہ جل اٹھا۔ ضبط کے سارے خول ایک دم چٹخ اٹھے تھے۔ کتنی بڑی بات کیسے آرام سے کہہ گیا تھا۔ وہ جو اس سے دو چار برس ہی چھوٹا ہو گا۔ کتنی حقارت سے بات کر رہا تھا۔ کتنا توہین آمیز رویہ تھا اس کا۔

اور وہ جو محض اپنی انا اور خودداری کے پرچم کو بلند رکھنے کے لیے آغا جمال سے رشتہ استوار کر بیٹھی تھی۔ کس قدر ذلیل ہو رہی تھی اس کے بیٹوں کے ہاتھوں۔ لیکن اب وہ اس کی مزید بکواس برداشت نہیں کر سکتی تھی۔

"تم حد سے زیادہ بد تمیز اور جاہل ہو۔ مجھے تم جیسے بدتمیز شخص کے منہ لگنا بھی گوارا نہیں!" وہ پاؤں پٹختی ہوئی اپنے بیڈ روم میں آ گئی۔

"تم نے توقیر کے ساتھ بد تمیزی کی ہے؟" شام کو آغا جمال برہمی سے پوچھ رہا تھا۔

"بد تمیزی میں نے نہیں اس نے کی ہے۔ بہت بے ہودہ قسم کی گفتگو کر رہا تھا وہ!" اس نے صفائی پیش کی۔

"میں نے بتایا تو تھا کہ وہ کسی کا لحاظ نہیں کرتا۔ اور تم سے کہا بھی تھا کہ چند دن کے لیے اپنے میکے چلی

Scanned with CamScanner

جاؤ۔"

"مگر یہ گھر اس کا ہے تو میرا بھی ہے۔ میں کسی کی خاطر اپنا گھر چھوڑ کر نہیں جا سکتی۔" وہ سلگ کر بولی۔

"تو ٹھیک ہے پھر' یہاں رہ کر بھگتو۔" اس نے غصے سے کہا اور باہر نکل گیا۔ اور وہ خالی الذہن ٹی وی اسکرین پر ناچتی تھرکتی متحرک تصویروں کو دیکھنے لگی۔

*_*_*

رات اور دن اک دوجے کے تعاقب میں بھاگے چلے جا رہے تھے۔ ماموں اپنی دونوں بیٹیوں سے فارغ ہو گئے تھے اور اب نوید کی باری تھی۔ آمنہ بھی کب کی تعلیم مکمل کر چکی تھی اور آج کل تائی اماں اور نیلم کے ساتھ بڑی خوش اسلوبی سے گھر سنبھال رہی تھی۔ لہٰذا شادی کی تیاریاں شروع کر دی گئیں اور رسمی طور پر شادی کی تاریخ مقرر کر دی گئی۔

نوید ماموں کا اکلوتا بیٹا تھا' ماں بہنوں کے سوار مان تھے۔ وہ پورے جی جان سے اس کی رسمیں کرنا چاہتی تھیں۔

صبا بھی چاہتی تھی کہ اپنی چھوٹی بہن کی ساری خوشیاں پوری کرے اس کی شادی پر آمنہ خفا خفا سی تھی۔ اب وہ چاہتی تھی کہ اپنی شادی کی تمام کسر وہ اس کی شادی پر نکال کر اسے خوش کر دے۔

اسے چند دن پہلے آ کر رہنے کی اجازت نہیں تھی سو وہ کالج سے تقریباً" ہر دوسرے دن چکر لگا لیتی تھی تاکہ تیاریوں میں اس کی بھرپور مدد کروا سکے۔

آغا جمال کو نہ پہلے اس کے خاندان یا گھر والوں کی کسی خوشی غمی میں کوئی دلچسپی تھی نہ اب۔ ان کا رویہ ہنوز پہلے روز والا تھا۔ لیے دیے رہنے والا اور قدرے خشک۔

وہ مہندی کے روز آ گئی تھی۔ آغا جمال کی حسب معمول بزنس کی مصروفیات تھیں' تاہم اس نے یقین دلایا تھا کہ اگر فارغ ہو گیا تو پہنچ جائے گا لیکن حسب توقع اسے فراغت ہی نہیں ملی تھی۔

البتہ بارات والے روز وہ مقررہ وقت پر پہنچ گیا تھا۔ اور وہ جیسے لوگوں کی نظروں میں سرخرو ہو گئی تھی۔ کتنا پوچھا تھا کل سے سب نے اس کے بارے میں۔ وہ بتاتے بتاتے بھی اکتا گئی تھی۔

"کیا خیال ہے چلیں!" رخصتی کے بعد اس نے پوچھا۔

"کیوں!" اس نے اچنبھے سے پوچھا۔

"کیا مطلب بھئی۔ گھر نہیں چلنا کیا!"

"کیسی باتیں کرتے ہیں آپ۔ صبح ولیمہ ہے اور پھر سارا گھر اوندھا پڑا ہے۔ میں بڑی بہن ہوں' مجھے ہی سب کچھ دیکھنا ہے۔ سب سنبھالنا ہے اور پھر عفت' فرحت حتیٰ کہ خالہ کی ربیعہ اور روحی تک ادھر ہیں۔ اور میں چلی جاؤں۔ کیا اچھا لگے گا۔"

اسے اس کی بات پر حقیقتاً" غصہ آیا تھا لیکن وہ اس پر قابو پا کر بڑے تحمل سے کہہ رہی تھی۔ کہ شادی کے بعد لڑکیاں اور کوئی عادت چھوڑیں نہ چھوڑیں لیکن مصلحت پسند ضرور ہو جاتی ہیں۔

وہ بھی بظاہر بڑی ملائمت اور رسان سے اسے سمجھانے کی کوشش کر رہی تھی لیکن اس کے باوجود اس کا موڈ آف ہو گیا تھا۔ اور وہ فوراً" ہی واپس چلا گیا تھا۔ اور ولیمے کے روز بھی وہ منتظر ہی رہی۔ انتظار کر کر کے فون کیا تو اس کا موڈ بدستور آف تھا۔

"میں نہیں آ سکتا۔ ضروری میٹنگ اٹینڈ کرنی ہے' تمہارا ابھی جب دل چاہے چلی آنا!"

اس نے عجلت بھرے انداز میں کہہ کر فون بند کر دیا۔ تو وہ کتنی ہی دیر ریسیور تھامے کھڑی رہی۔

تمام کام نپٹا کر وہ بڑی بے دلی سے تیار ہوئی تھی۔ لیکن سجی سنوری آمنہ کو دیکھ کر اس کی ساری یاسیت اور بوجھل پن ختم ہو گیا۔ کتنی پیاری اور کس قدر خوش نظر آ رہی تھی اس کی چھوٹی سی بہن' نوید بھی بہت اچھا اور بہت مطمئن سا لگ رہا تھا۔

"خدا تم دونوں کی خوشیاں ہمیشہ یونہی قائم رکھے!"

ان دونوں کے مسکراتے چہروں کو دیکھ کر اس کے دل نے چپکے چپکے کتنی ہی دعائیں دے ڈالیں۔ آمنہ سے پیار تو اسے شروع ہی سے تھا لیکن شادی کے بعد تو جیسے ہر دم اس کی فکر رہتی تھی۔ لیکن آج اسے مسرور دیکھ کر اس کے اندر تک سکون اتر گیا تھا۔

رسم کے مطابق آمنہ اور نوید کو آج رات ادھر ہی

Scanned with CamScanner

رکنا تھا۔ اگلے روز سالیوں نے جوتا چھپائی کی رسم میں خوب ہلہ گلہ کیا تھا۔ اس کا بہت دل مچل رہا تھا کہ وہ ان رسموں اور خوشیوں کو جی بھر کر انجوائے کرے۔ لیکن آغا جمال کے خراب موڈ کا بھی احساس تھا۔ اور ان چھوٹی چھوٹی بے ضرر خواہشوں اور خوشیوں کے لیے وہ اپنا گھر خراب نہیں کر سکتی تھی۔ لہٰذا ناشتے کے بعد ضروری کاموں سے فارغ ہو کر اس نے تیاری پکڑلی۔

عفت، فرحت سب نے حیرت کا مظاہرہ کیا۔ آمنہ کو بھی اس کا یوں اسے چھوڑ کر جانا اچھا نہیں لگا۔ لیکن تائی اماں نے سب کو سمجھادیا کہ وہ اصرار نہ کریں۔

وہ جہاندیدہ اور معاملہ فہم عورت تھیں۔ اس کی مجبوری سمجھ گئی تھیں۔

"ٹھیک ہے بٹی! تم جاؤ پیچھے کی فکر نہیں کرنا۔ میں ہوں یہاں پر!" انہوں نے دلاسا دیا۔

اس نے بجھے دل سے انہیں خدا حافظ کہا۔ آمنہ کو پیار کیا اور عامر اسے چھوڑ آیا۔

آغا جمال گھر پر ہی تھا اسے دیکھ کر اس نے کسی قسم کے ردعمل کا اظہار نہیں کیا۔ حتیٰ کہ سلام کا جواب بھی بہت سرسری سے انداز میں دیا۔

اور پھر کئی روز وہ یونہی اینٹھا رہا تھا اور وہ بدستور اس کے کام کرتی ہوئی اس کے آگے پیچھے پھرتی رہی تھی۔ اور بالآخر اس کا موڈ نارمل کرنے میں کامیاب ہو ہی گئی۔

*_*_*

اس رات وہ گہری نیند میں تھی۔ جب سرہانے رکھے ٹیلیفون کی گھنٹی نے اسے اٹھا دیا۔ اس کے جاگنے تک آغا جمال فون اٹھا چکا تھا۔

"ہیلو!" اس کی آواز نیند سے بوجھل اور آنکھیں بند تھیں۔

"او ہ کب۔" وہ ایک دم سے اٹھ کر بیٹھ گیا تو اس کا دل بھی دہل گیا۔

"مگر کیسے ہوا کیا تھا!" وہ بہت شاکڈ تھا۔

"ہاسپٹل نہیں لے گئے.... اچھا ٹھیک ہے۔ انگلینڈ، ہاں ٹھیک ہے اطلاع کردو، میں وہاں پہنچ کر.... چلو ٹھیک ہے!" اس نے فون رکھ دیا۔

"کیا ہوا؟" اس نے بے قراری سے پوچھا کہ سانس سینے میں اٹکی پڑی تھی۔

"کمال بھائی کی ڈیتھ ہو گئی ہے۔" اس نے اپنے بڑے بھائی کے متعلق بتایا۔

"اوہ!" اسے واقعی افسوس ہوا۔ گوکہ وہ ملی نہ تھی لیکن نام سے اچھی طرح واقف تھی۔

"کیا ہوا تھا۔"

"ہارٹ اٹیک، پہلا ہی اٹیک جان لیوا ثابت ہوا۔" وہ افسردگی سے بتانے لگا۔

"پھر تو ہمیں ابھی جانا ہوگا۔"

"ہمیں نہیں صرف مجھے۔"

"لیکن میرا جانا تو ضروری ہے!"

"مگر اس وقت نہیں، وہاں پر دور دراز سے رشتے دار آئے ہوں گے۔ اور ہر کسی کو تو نہیں پتا ناں کہ میں نے تم سے شادی کی ہے!"

"مگر یہ بات چھپانے والی تو نہیں ہے۔ آخر تو سب کو پتا چل ہی جائے گا!" وہ زچ ہو کر کہنے لگی۔

"بات چھپانے یا بتانے کی نہیں۔ دراصل گاؤں کے لوگ حسب نسب کا بڑا خیال رکھتے ہیں۔ سب تم سے پوچھتے پھریں گے.... خیر چھوڑو۔ میرے کپڑے نکالو!" وہ کمبل سے نکل کر باتھ روم میں چلا گیا تو وہ کپڑے نکالنے لگی۔

"اور ہاں صبا! عمر کو بھی جگا دو!" اس نے باتھ روم سے آواز دی۔

"جی اچھا!" اس نے تابعداری سے کہا۔

تقریباً آدھے گھنٹے بعد وہ لوگ روانہ ہو چکے تھے۔ اور وہ بیڈ کی پشت سے ٹیک لگائے خالی خالی نظروں سے چھت کو گھورے جا رہی تھی۔

*_*_*

عامر بہت اچھے نمبروں سے پاس ہوا تھا۔ وہ یہ خوشخبری سنتے ہی چلی آئی تھی۔ عامر نے فون پر فرحت، عفت اور آمنہ کو بھی یہ خوشی کی خبر سنادی تھی اور شام تک وہ تینوں اپنے شوہروں سمیت پہنچ چکی تھیں۔ اس نے بھی آغا جمال کو فون کیا تھا لیکن اس کا وہی ہمیشہ والا جواز تھا کہ کام میں بہت مصروف ہوں۔

Scanned with CamScanner

بہرحال اس وقت وہ بہت خوش تھی۔ عامر کو اس نے بازار بھیج کر بہت سی چیزیں منگوائی تھیں۔ اور چائے پر اچھا خاصا اہتمام کرلیا تھا بہت دنوں بعد سب کو مل بیٹھنے کا موقع ملا تھا۔ ملی جلی آوازوں اور قہقہوں سے اچھی خاصی تقریب کا گمان ہو رہا تھا۔ آمنہ کچن میں چائے بنا رہی تھی۔ نیلم نے منٹوں میں چکن کٹلس بنا لیے تھے اور اب انہیں فرائی کرتے ہوئے وہ اپنی کارکردگی کی بھرپور داد وصول کر رہی تھی۔

صبا ٹیبل پر چائے کے برتن سجاتے ہوئے نوید اور واجد کے ہنسی مذاق میں برابر کی شریک تھی اور ان کی چھیڑ چھاڑ کا بڑی بشاشت سے جواب دے رہی تھی۔ کہ آغا جان کی گاڑی کے مخصوص ہارن پر ٹھٹھک گئی۔

صبح تو اس نے معذرت کے لیے رسماً فون کر دیا تھا۔ شادی کے بعد شروع میں وہ دو چار مرتبہ اسے لینے یا چھوڑنے آیا تھا۔ اور اگر اندر بھی آیا تو کھڑے کھڑے۔ اور اس کے بعد اسے ہمیشہ ڈرائیور ہی لینے اور چھوڑنے آتا رہا تھا۔ اور آج اس کی آمد نے اسے حیران کر دیا تھا۔ اطلاعی گھنٹی کی آواز پر عامر نے دروازہ کھولا تھا اور اسے بصد احترام اندر لے آیا۔

"تمہاری کامیابی پر خوشی ہوئی۔ گڈ لک فار یور فیوچر۔" اس نے مبارکباد دے کر کہا تو عامر خوشدلی سے مسکرا دیا۔

عدنان، واجد اور نوید نے محفل کو رنگین بنا رکھا تھا۔ اس کی آمد پر انہوں نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے بڑی گرمجوشی سے استقبال کیا۔ تائی اماں نے لڑکیوں کو ہدایت کی کہ ذرا جلدی انتظام کرلیں۔

"چلیں بھئی، چائے تیار ہے!" صبا نے میز کا آخری جائزہ لیا اور اندر آکر اطلاع دی۔

چائے بہت خوشگوار ماحول میں پی گئی تھی۔

"آپ یہ لیں ناں۔ نیلم نے بنائے ہیں۔" صبا نے کٹلس کی پلیٹ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بتایا۔

"ذرا جلدی فارغ ہو جاؤ۔ میں تمہیں لینے آیا ہوں۔" اس نے کٹلس اپنی پلیٹ میں رکھتے ہوئے کہا تو وہ حیران رہ گئی۔ کیونکہ وہ اس سے اجازت لے کر دو تین دن رکنے کے لئے آئی تھی۔

"لیکن کیوں۔ میں تو رہنے آئی تھی۔" اس نے گویا یاد دلایا۔

"دراصل عمر کی طبیعت خراب ہے۔ مجھے رات کو اسلام آباد پہنچنا ہے۔ اس لئے تمہارا گھر میں ہونا ضروری ہے۔"

اس نے بتایا تو وہ بجھ سی گئی۔ کتنا دل چاہ رہا تھا وہ چار دن اس آنگن میں ٹھہرنے کو۔ اس کے کہنے پر آمنہ بھی رہنے کے لئے تیار ہو گئی تھی۔

"کیا سوچنے لگیں؟" اسے خاموش دیکھ کر اس نے پوچھا۔

"آں۔ کچھ نہیں!"

"ذرا جلدی کرو پلیز، میرے پاس زیادہ ٹائم نہیں ہے۔"

"اچھا ٹھیک ہے۔" اس نے بجھے لہجے میں کہا اور بے دلی سے چائے ختم کرنے لگی۔

وہاں سے آنے کا اتنا افسوس نہیں ہوا تھا جتنا اس بات کا افسوس تھا کہ عمر کو اس کے آنے نہ آنے کی قطعی پرواہ نہ تھی۔ اس کے لئے تو ویسے بھی اس کا موجود ہونا یا نہ ہونا کبھی کوئی اہمیت نہ رکھتا تھا۔ وہ بڑے آرام سے بیڈ پر بیٹھ کر ٹی وی دیکھ رہا تھا۔

"کیا حال ہے۔ کیسے ہو اب۔؟" وہ اس کے قریب بیٹھ کر شفقت سے پوچھنے لگی۔ مگر وہ مزے سے اپنا پسندیدہ پروگرام دیکھنے میں مگن تھا۔

"صبح تک تو ٹھیک تھے۔ اچانک کیا ہو گیا؟" اس نے اس کی پیشانی چھوتے ہوئے پوچھا۔ ہلکا سا ٹمپریچر محسوس ہو رہا تھا۔

"کچھ بھی نہیں۔ صرف فلو ہو گیا ہے۔ پاپا تو یونہی پریشان ہو جاتے ہیں۔" اس کے انداز میں حد سے زیادہ لاپروائی تھی۔

"کوئی دوائی؟"

"نہیں۔"

"کیوں؟" اس نے تعجب سے پوچھا۔

"مجھے اچھی نہیں لگتی۔"

"وہ تو کسی کو بھی اچھی نہیں لگتی۔ مجبوری کھائی

Scanned with CamScanner

جاتی ہے۔ "میں تمہارے لئے گرم دودھ اور دوائی لاتی ہوں۔" اس نے بڑی ملائمت سے کہا۔
"مجھے اچھی نہیں لگتی تو کیوں کھاؤں۔" وہ زچ ہو کر بولا۔ اور وہ ایسا ہی تھا۔ دل چاہتا تو صحیح موڈ میں بات کرلیتا۔ نہیں چاہتا تو بد تمیزی پر اتر آتا۔ اسی لئے وہ اس سے کسی بات پر اصرار نہیں کرتی تھی۔
کچھ دیر بعد وہ دودھ گرم کر کے لے آئی۔ اور بڑے پیار اور دلار سے پلانے لگی۔ دوائی پینے سے وہ انکار کر چکا تھا سو کہنا ہی بیکار تھا۔
"اچھا اب تم آرام کرو۔ مجھے تمہارے پاپا کی پیکنگ کرنی ہے۔ وہ اسلام آباد جا رہے ہیں۔" وہ اسے ہدایت کر کے کمرے میں آگئی۔
دوائی نہ کھانے کا نتیجہ تھا کہ اگلے روز اچھا خاصا ٹمپریچر ہو گیا تھا۔ اس نے فون کر کے ڈاکٹر کو بلوایا۔ اس نے چیک اپ کر کے کچھ دوائیاں لکھ دی تھیں۔ جو اس نے فوراً ہی منگوالیں۔ مگر وہ کھانے پر راضی ہی نہ تھا۔
اس نے اس کے لئے سیب کاٹے، جوس بنا کر لائی مگر اس نے آنکھ اٹھا کر نہ دیکھا۔ آج اس نے چکن سوپ بنایا تھا ادھر ادھر کی باتوں میں لگا کر بڑی مشکل سے پلایا۔
"دیکھو، اب تم دوائی بھی کھالو۔ انجکشن بھی نہیں لگوایا۔ ایسے تو ٹھیک نہیں ہو سکتے ناں۔ چلو اٹھو شاباش۔ بڑوں کا کہنا مانتے ہیں۔"
اس نے سیرپ کا بھرا ہوا چمچ اس کے منہ کی طرف بڑھایا۔
"میں نے کہا ناں، مجھے نہیں اچھی لگتی۔" اس نے ہاتھ مار کر بھرا ہو چمچ دور پھینکا۔ مکسچر سے بھری شیشی اس کے ہاتھ میں تھی، وہ بھی کارپٹ پر جا گری۔ اس اچانک افتاد پر وہ بوکھلا گئی۔ دوائی کے چھینٹے بیڈ شیٹ کے علاوہ اس کے کپڑوں پر بھی نشان چھوڑ گئے تھے۔
اس بد تمیزی پر غصہ تو بہت آیا۔ لیکن ایک تو وہ بیمار تھا۔ دوسرے وہ اسے کچھ کہنے کا حق بھی نہیں رکھتی تھی۔ اس لیے کچھ کہے بغیر اپنے کمرے میں آگئی۔

اور اسی رات کو اچانک ہی آغا جمال آگیا۔ حالانکہ وہ دو تین دن کا کہہ کر گیا تھا۔
"عمر کی طبیعت کیسی ہے اب؟" ٹائی کی گرہ ڈھیلی کرتے ہوئے اس نے پوچھا۔
"ٹمپریچر ہو رہا ہے۔"
"اوہ!" وہ پریشان ہو کر فوراً دیکھنے چلا گیا۔ تو وہ کچن میں آکے اس کے لئے کھانا گرم کرنے لگی۔
"اس کی طبیعت خراب ہے اور تم آرام سے کمرے میں بیٹھی تھیں۔" اسے دیکھ کر وہ کچن میں ہی آگیا۔
"دوائی نہیں کھائے گا تو طبیعت خراب ہی ہوگی۔ میں نے زبردستی کھلانی چاہی تو اس نے شیشی پھینک دی۔" وہ تفصیل سے بتانے لگی۔
"بیمار کے ساتھ زبردستی نہیں کی جاتی۔ محبت سے پیش آتے ہیں۔ اگر تمہارا اپنا بچہ ہوتا تو تم اس قدر غفلت برتتیں۔ مجھے تم سے اس بے حسی کی توقع نہیں تھی۔ کس قدر لاپرواہ ہو تم اس کی طرف سے۔ واقعی سوتیلی ماں سوتیلی ہی ہوتی ہے۔"
وہ خاصا برہم تھا اور وہ لب بستہ بیٹھی ہاتھوں کو مسل رہی تھی۔ کہنے کو بہت کچھ تھا لیکن وہ کچھ کہنا ہی نہ چاہتی تھی۔

*_*_*

آمنہ کے ہاں بیٹا ہوا تھا۔ اسے جیسے ہی اطلاع ملی، وہ سیدھی ہاسپٹل پہنچ گئی۔
"بہت بہت مبارک ہو۔" اس کی پیشانی چوم کر اس نے بے حد خوشی سے کہا لیکن آنکھوں میں نمی اتر آئی۔ امی، ابو کس قدر یاد آتے تھے۔ ایسے موقعوں پر۔ لیکن وہ اس خوشی کے موقع پر آمنہ کو افسردہ نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اس لئے فوراً ہی اس کے گل گوتھنے سے بیٹے کو گود میں لے کر چٹا چٹ پیار کرنے لگی۔ خالہ بننے کا بڑا خوشگوار سا احساس ہو رہا تھا۔
"دیکھیں آپی! بعد میں شادی کروانے کے باوجود میں آپ سے سینئر ہو گئی ہوں۔ اب آپ بھی کچھ سوچیں مجھے بھی خالہ بننے کا بہت شوق ہے۔" آمنہ نے اس کو بچے سے والہانہ محبت کا اظہار کرتے دیکھ کر

Scanned with CamScanner

مشورہ دیا اور اپنی خواہش کا اظہار بھی کر دیا۔

"ہاں بیٹی! آمنہ ٹھیک کہہ رہی ہے۔" تائی اماں نے بھی اس کی تائید کی۔

"میاں بیوی میں کتنی ہی محبت کیوں نہ ہو۔ رشتے کی مضبوطی بچے سے ہی ہوتی ہے۔ اک زنجیر سے باندھ دیتا ہے دونوں کو۔"

تائی اماں بڑی سنجیدگی سے سمجھانے لگیں۔ وہ پہلے بھی اسے کئی بار کہہ چکی تھیں کہ وہ ڈاکٹر کے پاس جائے۔ لیکن وہ ہر بار ٹال دیتی تھی۔ اب انہیں کیا بتاتی کہ یہ پابندی آغا جمال کی جانب سے اس پر عائد تھی۔ لیکن اب یہ خواہش اس کے اندر بھی جڑ پکڑتی جا رہی تھی اور آج آمنہ کے بچے کو دیکھ کر اسے اپنی خالی گود کا زیادہ شدت سے احساس ہو رہا تھا اور اس نے سوچ لیا تھا کہ وہ اپنی خواہش کو ضرور پورا کرے گی۔

*_*_*

اس کے لئے شاید اس سے زیادہ خوبصورت دن اور کوئی نہ تھا جب لیڈی ڈاکٹر نے اسے ماں بننے کی نوید سنائی تھی۔ اسے کتنی دیر تو یقین ہی نہ آیا تھا۔ اور جب یقین آیا تو وہ خوشی سے دیوانی ہو گئی۔ ہنستے کھلکھلاتے بچے کا تصور ہی کس قدر دلکش تھا۔ کس قدر خوش کن اور معتبر احساس تھا کہ وہ عورت سے ماں کے مقدس رشتے پر پہنچنے والی ہے۔ اپنی خوشی میں وہ یہ بھی بھول گئی کہ آغا جمال نے اسے کیا کہا تھا۔

اور جب اسی رات اس نے اسے یہ خوشی کی خبر سنائی تو وہ کتنی ہی دیر غور سے اسے دیکھتا رہا۔ اور جب یقین آگیا کہ وہ مذاق نہیں کر رہی تو وہ برہم ہو گیا۔

"میں نے منع کیا تھا ناں تمہیں ان جھنجھٹوں میں پڑنے سے۔ اس عمر میں باپ بنتا اچھا لگوں گا۔ مذاق بنواؤ گی لوگوں میں میرا۔ فوراً کوئی بندوبست کرو!"

اس نے حتمی لہجے میں گویا حکم دیا۔ لیکن وہ تو جیسے پتھر کی ہو گئی تھی۔ کتنی بڑی بات کتنی آسانی سے کہہ دی تھی اس نے۔ اس کی واحد خوشی کو کیسے لمحوں میں پامال کرنا چاہتا تھا۔ کتنا سنگدل اور بے حس تھا۔

"میں ایسا ہرگز نہیں کروں گی۔" اس نے تڑپ کر کہا کہ اب تو جیسے زندگی کا مقصد ہی ماں بننا رہ گیا تھا اس کے لئے۔

"مجھے اس وقت نیند آ رہی ہے پھر بات کریں گے' سو جاؤ تم بھی۔"

وہ اس کے پرعزم لہجے پر ٹھنڈا پڑ گیا تھا۔ لہٰذا آئندہ پر بات ڈال کر کروٹ بدل کر سونے کی کوشش کرنے لگا۔ لیکن اس کی آنکھوں سے نیند غائب ہو چکی تھی۔

*_*_*

اگلے چند روز بڑی خاموشی سے گزر گئے۔ اس موضوع پر نہ اس نے کچھ پوچھا نہ اس نے خود کوئی بات چھیڑی۔ صبا کا خیال تھا اس روز وقتی غصہ ہو گا جو اب ٹھنڈا پڑ گیا ہے۔ اور کیا خبر وہ اپنے لہجے پر دل ہی دل میں نادم بھی ہو۔ تبھی تو اس روز کے بعد اس کے ساتھ اچھے موڈ میں بات کر رہا تھا۔

اس دن ہاف ڈے تھا۔ وہ سہ پہر کے کھانے کے بعد وہ اپنے کمرے میں آرام کر رہی تھی کہ پورچ میں آغا جمال کی گاڑی کا ہارن سنائی دیا۔

"یہ آج اس وقت کیسے آگئے۔" وہ متعجب سی باہر نکل آئی۔ وہ ہمیشہ شام کو آتا تھا۔ اس وقت اس کی آمد غیر معمولی تھی۔

وہ سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آ رہا تھا۔

"خیریت۔ آج اس وقت کیسے آگئے۔" اس نے تشویش سے پوچھا۔

"ضروری کام تھا۔ اپنا پاسپورٹ وغیرہ نکالو۔"

"کیوں۔؟" اس کے انداز میں استعجاب تھا۔

"چند دن کے لئے انگلینڈ جا رہا ہوں میرا بزنس ٹرپ ہے۔ سوچا تمہیں بھی ساتھ لے جاؤں۔ سیر بھی ہو جائے گی اور تم کسی اچھی گائناکالوجسٹ کو بھی دکھا لینا۔" اس نے زینے کی گھومتی ہوئی سفید ریلنگ پر ہتھیلیاں جما کر وضاحت کی۔

"مگر کیوں۔؟" اس کی ساری حسیں بیدار ہو گئیں۔

"بھئی ختم کرواؤ اس قصے کو۔" اس نے جھنجلا کر کہا۔

"یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔" وہ سلگ اٹھی۔
"دیکھو وہاں ایک سے ایک اچھا ڈاکٹر ہے۔"
"کچھ بھی ہو۔ میں آپ کی بات نہیں مانوں گی۔ بہت مان لی میں نے آپ کی مگر یہ بات کبھی نہیں مان سکتی۔" وہ درمیان میں ٹوک کر بولی۔
"بات سمجھنے کی کوشش کرو صبا۔ مجھے مزید اولاد نہیں۔!"
"مزید ہوگی آغا جمال کے لئے لیکن میرے لئے یہ صرف اولاد ہے۔ پہلی پہلی اولاد۔!" وہ بغیر کسی لحاظ کے بولی۔
"مگر لوگ اور سب سے بڑھ کر میرے بیٹے کیا کہیں گے۔" وہ بھنا کر بولا۔
"بیٹوں کا اتنا ہی ڈر تھا تو شادی کیوں کی تھی۔" اس کی قوت برداشت جواب دے گئی تھی۔
"میں اپنی بات کا انکار سننا برداشت نہیں کرتا۔" وہ ایکدم سے مشتعل ہو گیا۔
"اور جو آپ کہہ رہے ہیں میں وہ برداشت نہیں کر سکتی۔"
اس کا ضبط جواب دے گیا تو وہ پھنکار کر بولی۔ اس کا یہ لب ولہجہ آغا جمال کے لئے نیا اور اشتعال انگیز تھا۔ اس کا پارہ بہت ہائی ہو گیا تھا۔
اس سے پہلے کہ وہ مزید کچھ کہتی اس کا مضبوط وتوانا ہاتھ اٹھا اور بھرپور مردانہ قوت سے اس کے گال پر اس طرح پڑا کہ وہ جو پہلی سیڑھی کے بالکل کنارے پر کھڑی تھی اس طرح ان بیلنس ہوئی کہ لڑھکتی ہوئی سیڑھیوں سے نیچے جا گری۔
ایک لمحے کو تو سارا گھر گھومتا ہوا محسوس ہوا۔ آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا اور پھر اسے کچھ ہوش نہ رہا۔ یہ سب اتنی عجلت میں اور اس قدر "آنا" فانا" بلکہ غیر متوقع طور پر ہوا تھا کہ وہ خود بھی ششدر رہ گیا۔ فوری طور پر ڈرائیور کو بلوا کر اسے گاڑی میں ڈالا اور ہاسپٹل لے گیا۔
ہوش آیا تو اس نے خود کو ہسپتال میں پایا۔ تائی اماں سمیت سب ہی اس کے کمرے میں موجود تھے۔
"آپی! کیسا محسوس کر رہی ہیں۔" اسے آنکھیں کھولتے دیکھ کر آمنہ نے اس کا ہاتھ تھام کر پریشانی سے پوچھا۔
"کیا حال ہے بٹی۔ شکر ہے بروقت ہسپتال پہنچا دیا گیا تمہیں۔ ورنہ جانے کیا ہو جاتا۔"
تائی نے اس کی پیشانی پر بوسہ دیتے ہوئے تفکر وشفقت بھرے انداز میں کہا تو اس کی آنکھوں سے آنسو نکل کر تکیے میں جذب ہونے لگے۔
"بس بٹی! خدا کی رضا اسی میں تھی۔" تائی اماں نے اس کے آنسو پونچھتے ہوئے آزردگی سے دلاسا دینے کی کوشش کی۔
وہ اپنا سب سے قیمتی سرمایہ گنوا بیٹھی تھی۔ ماں بننے سے پہلے ہی اس کی کوکھ اجڑ گئی تھی۔ اگر صرف اتنا ہی ستم ہوتا تو وہ شاید برداشت کر لیتی۔ لیکن ظلم تو یہ ہوا تھا کہ اب وہ کبھی ماں نہیں بن سکتی تھی۔ اور یہ خبر اتنی آسانی سے سہ جانے والی تو ہرگز نہیں تھی۔
"آپی پلیز! حوصلہ کریں۔ صبر سے کام لیں۔ خدا کے فیصلوں کو کون جھٹلا سکتا ہے۔" عفت اسے روتے دیکھ کر مسلسل حوصلہ دے رہی تھی۔
"نہیں عفت! خدا نے تو مجھے اس خوشی سے نوازا تھا۔ لیکن اس ظالم نے میری کوکھ اجاڑ دی۔ وہ بزدل اپنے بیٹوں سے خوفزدہ ہے۔ اسے جگ ہنسائی کا ڈر تھا۔ مجھے تو وہ صرف اپنی تنہائی بانٹنے کے لئے لایا تھا۔ اسے میرے احساسات یا جذبات کی قطعی پرواہ نہیں۔ میں صرف گوشت پوست سے بنی اک لڑکی ہوں۔ جسے وہ اپنی مرضی سے استعمال کرتا ہے۔ میری رائے یا میری خوشی اس کے لئے ہرگز کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔ مجھے کراہت آ رہی ہے اس کے وجود' بلکہ اس کے تصور سے بھی۔"
وہ مچل مچل کر رو رہی تھی۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ اس کا منہ نوچ لے۔ اسے شوٹ کر دے۔
ہاسپٹل سے وہ اپنے گھر آئی تھی۔ اور اب اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ آغا جمال کے ساتھ نہیں رہے گی۔
شادی محض دو جسموں کے ملاپ کا نام نہیں ہے۔ اس میں باہمی رضامندی' ذہنی ہم آہنگی اور دلوں میں اک دوجے کی چاہت ہونا بہت ضروری ہے۔ ایک

دوجے کی عزت کرنا' دوسرے کے احساسات کی پروا کرنا' خیالات کا پاس رکھنا۔ جذبات کا احترام کرنا۔ کسی کوتاہی پر اپنے رویے میں لچک رکھنا اور دوسرے فریق کی خواہشوں کا احترام کرنا بھی بے حد اہمیت کا حامل ہے۔ لیکن ان چار سالوں میں اس نے اسے کیا دیا تھا۔ اس کی ذات کے غرور کو ملیامیٹ کر دیا تھا۔ انا اور خودداری کے جس پرچم کو بلند رکھنے کے لئے وہ اس شادی پر آمادہ ہوئی تھی اب تو وہ بھی سرنگوں ہو چکا تھا۔

اور پھر سب سے بڑھ کر اب تو آخری آس بھی ٹوٹ گئی تھی جس کی بنیاد پر وہ اپنے قدم مضبوطی سے جمانے کی امید لگائے بیٹھی تھی۔ پھر بھلا کیا ضرورت تھی اس محل نما گھر میں اک ناکارہ اور فالتو شے بن کر رہنے کی۔ جہاں اس کے بیٹے اسے ملازماؤں سے بھی کمتر سمجھتے تھے۔

نہیں اب وہ اس کے ساتھ نہیں رہے گی۔ کبھی نہیں۔ اس نے فیصلہ کر لیا تھا اور غیر متوقع طور پر گھر میں کسی نے بھی اس کے فیصلے پر اعتراض نہیں کیا تھا۔

اس نے خلع کا نوٹس بھجوا دیا تھا۔ اور کچھ ہی عرصے بعد اس کی زندگی کا سب سے اہم رشتہ کاغذ کے اک ٹکڑے سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا تھا۔

اسے حیرت تھی کہ آغا جمال نے اتنی جلدی فیصلہ کیسے کر لیا تھا۔ وہ اثر و رسوخ والا شخص تھا۔ چاہتا تو اسے انتقاماً" بھی خوار کر سکتا تھا۔ لیکن شاید وہ خود بھی اکتا گیا تھا۔ یا پھر جوان بیٹوں سے دب گیا تھا۔ ویسے بھی بڑے لوگوں کے لئے یہ باتیں بہت معمولی ہوتی ہیں۔ لیکن اس کے لئے بہرحال معمولی نہیں تھی۔ گو کہ سب کچھ خالصتاً" اس کی اپنی مرضی سے ہوا تھا۔ اس پر کسی کا دباؤ تھا نہ زبردستی۔ لیکن اس کے باوجود وہ بری طرح ٹوٹ پھوٹ گئی تھی۔

--*

زندگی نے ایک دم سے جیسے رنگ بدل لئے تھے۔ وہ ہر وقت گم صم کھوئی کھوئی سی رہتی۔ نیلم بھی چند ماہ پہلے اپنے گھر کی ہو گئی تھی۔ عامر ہاسٹل چلا جاتا تو وہ اور تائی اماں اکیلی رہ جاتیں۔ تائی اماں نے اچھی مصروفیت ڈھونڈی تھی۔ وہ ترجمے والا قرآن پاک کھول کر بیٹھ جاتیں۔ اور اس کے نور سے گھنٹوں فیض حاصل کرتیں' اور ایسے میں وہ پورے گھر میں بولائی بولائی پھرتی۔

کبھی کتنی رونق ہوتی تھی اس آنگن میں۔ عفت' فرحت' عمیر' نیلم' آمنہ اور ابو بھی ہوتے تھے۔ کیسا بھرا پرا گھر تھا۔ ہر وقت چہل پہل رہتی۔ چولہا تو کبھی ٹھنڈا پڑا ہی نہ تھا۔ ایک کا کھانا گرم کیا ہے تو دوسرے کو چائے یاد آ گئی ہے۔ نیلم یا آمنہ شام کی چائے پر اکثر پکوڑے یا چپس وغیرہ بنا رہی ہوتیں۔ عفت چھت پر پڑھ رہی ہوتی تو فرحت سیڑھیوں میں کتابیں لئے بیٹھی ہے۔ اس طرف کیاری کے پاس عمیر اخبار یا رسالہ کھولے بیٹھا ملتا۔ تائی اماں اکثر تخت پر سبزی بنا رہی ہوتیں۔ یا مشین رکھے کچھ نہ کچھ سی رہی ہوتیں۔ ہر کوئی مصروف و مگن۔ لیکن اس مصروفیت میں بھی آتے جاتے چھوٹے چھوٹے فقروں کے تبادلے' چھیڑ چھاڑ' ہنسی مذاق آہ۔ کس قدر آسودہ کتنے مطمئن تھے وہ سب۔ کیسے خوشحال سے تھے وہ دن۔

اور اب کیسی خاموشی سی چھائی رہتی تھی۔ لے دے کر وہ اور تائی اماں وقت کاٹے نہ کٹتا۔ لڑکیاں آنگن کی چڑیاں تھیں۔ اک اک کر کے اڑ گئیں اور لڑکے تلاش روزگار میں نکل گئے۔

اور اب تو وہ جاب بھی چھوڑ چکی تھی۔ عامر نے کرنے ہی نہیں دی تھی۔

"بس آپی' بہت ہو گیا۔ اب میں اپنی منزل پر پہنچ گیا ہوں۔ بہت قربانی دے لی آپ نے میری خاطر۔"

"کیسی باتیں کرتے ہو عامر! قربانی کیسی۔ کیا تم میری ذمہ داری نہیں تھے۔ کیا یہ میرا فرض نہیں تھا کہ میں ابو کا خواب پورا کرتی۔ اور پھر یہ صرف ابو کا ہی تو خواب نہیں۔ خود میری بھی خواہش تھی کہ تم پڑھ لکھ کر باعزت مقام حاصل کرو۔ خدا کا شکر ہے کہ تم نے میری خواہش کو پورا کر دیا۔"

اس نے بڑی محبت اور مان سے بھائی کو دیکھا۔ جو عمر میں اس سے کہیں چھوٹا ہونے کے باوجود' قد کاٹھ

Scanned with CamScanner

میں اتنا آگے نکل گیا تھا کہ اس سے بڑا دکھائی دینے لگا تھا۔

"تو بس پھر آپی! آپ بھی میری یہ بات مان لیں۔ آپ نوکری چھوڑ دیں پلیز۔"

"مگر کیوں۔ میں سارا دن گھر بیٹھ کر کیا کروں گی۔" اس نے احتجاج کیا۔

"جو باقی سب لڑکیاں کرتی ہیں۔ تائی جان بھی اکیلی ہیں۔ آپ انہیں کمپنی دیا کریں۔ ویسے بھی اس عمر میں وہ اکیلی گھر تو نہیں سنبھال سکتیں ناں۔" اس نے بڑا ٹھوس جواز تراشا تھا۔

"ہاں یہ تو ہے۔ اس گھر کے لڑکے بھی تو خاصے نالائق ہیں۔ ایک بہو نہیں لا سکے۔" اس نے بات کو مزاح کا رنگ دینے کی کوشش کی۔

"میری بات کو مذاق میں نہیں ٹالیں۔ میں سیریس ہوں۔" وہ واقعی سنجیدہ ہو گیا۔

"اچھا بابا! دیکھوں گی۔"

"دیکھوں گی نہیں۔ کل ہی استعفیٰ لکھیں اور فارغ ہوں۔ ہو سکتا ہے آپ سے زیادہ اس نوکری کے لئے کوئی اور مستحق ہو۔ کوئی زیادہ مجبور اور ضرورت مند ہو۔ ویسے بھی جن بہنوں کے بھائی جوان ہوں انہیں باہر نکلنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔"

اس نے اتنے پیار بھرے لہجے میں کہا کہ وہ انکار نہ کر سکی۔ اور اگلے ہی روز استعفیٰ دے دیا۔

لیکن اب اسے بوریت ہوتی بھی۔ کبھی کبھی اسے عامر کی جلد بازی پر غصہ آتا۔ ایسے ہی اس کی بات مان لی۔ کم از کم وقت تو اچھا گزر جاتا تھا۔

*_*_*

ان دنوں عفت رہنے آئی ہوئی تھی اس کے دو بچوں کے سبب گھر میں رونق ہو گئی تھی۔ دوپہر کے کھانے سے فارغ ہو کر وہ انہیں اپنے ساتھ لٹا کر ان کی چھوٹی چھوٹی معصوم باتوں سے لطف اندوز ہو رہی تھی۔ کہ اچانک ہی ماہا نے کہانی سننے کی فرمائش کر دی۔ علی بھی اس کی بھرپور تائید کر رہا تھا۔

"نہیں بیٹا! دوپہر میں کہانی نہیں سنتے۔" ان کے مسلسل اصرار پر اس نے کہا۔

"لیکن کیوں خالہ؟" ماہا نے پوچھا۔

"کیونکہ دوپہر کو کہانی سنانے سے مسافر رستہ بھول جاتے ہیں۔"

"کیا عمیر ماموں بھی راستہ بھول جائیں گے۔" علی نے بڑی معصومیت سے کہا تھا۔

"وہ تو کب کا بھول چکا۔" اس نے دل میں سوچا۔

"خالہ! عمیر ماموں کی دو بیٹیاں ہیں ناں۔ ماما کہتی ہیں وہ بہت پیاری ہیں۔" ماہا نے گویا اسے بہت بڑی اطلاع دی۔

"ان کے سنہری بال اور نیلی آنکھیں ہیں۔ بالکل گڑیا جیسی۔" علی نے اس کی بات مزید آگے بڑھائی۔ اور اس سے پہلے کہ وہ عمیر ماموں کے متعلق مزید باتیں کرتے۔ صبا نے ان کا دھیان بٹانے کے لئے کہانی سنانی شروع کر دی اور بچوں کے ساتھ خود اس کا اپنا بھی دھیان بٹ گیا۔

*_*_*

شام کو وہ چائے بنا رہی تھی۔ جب عفت کی دھیمی آواز اس کے کانوں میں پڑی۔ وہ تائی اماں کے پاس تخت پر بیٹھی کب سے باتیں کر رہی تھی۔ مگر اب ایک دم سے ہی لہجہ دھیما ہو گیا تھا' اس رازدارانہ لہجے میں اپنا نام سن کر وہ چوکس ہو گئی۔

"اماں! پھر کیا سوچا ہے آپ نے صبا آپی کے لئے۔"

"اے بیٹا! تم تو جانتی ہو۔ میں اس کے لئے کتنی فکر مند ہوں۔ اس عمر میں میکے آ بیٹھی ہے۔ کچھ تو سوچنا پڑے گا۔ بٹھائے تھوڑی رکھنا ہے اسے۔" انہوں نے تفکر سے کہا۔

"میں نے اپنی ساس سے بات کی تھی۔ ان کا حلقہ احباب بڑا وسیع ہے۔ اور ایسے کام بڑا خوش ہو کر کرواتی ہیں۔ کہہ رہی تھیں میں نظر میں رکھوں گی صبا کے لئے کوئی اچھا اور نیک شخص۔" اس نے انہیں تسلی دی۔

"اللہ ان کا بھلا کرے۔ بڑی بھلی مانس اور ہمدرد خاتون ہیں۔ لیکن بیٹی! میں پہلے صبا سے بات کر لوں۔" انہوں نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ لیکن اس سے

Scanned with CamScanner

پہلے کہ وہ اس سے بات کرتیں۔ وہ خود ہی عفت سے ذکر چھیڑ بیٹھی۔

رات کو کھانے کے بعد بچوں کو سلا کر وہ اس کے پاس آئی تھی۔

"یہ تم شام کو تائی اماں سے کیا باتیں کر رہی تھیں۔ میں سب سن رہی تھی۔" اس نے بلا تمہید بات شروع کی۔

"میں کچھ غلط تو نہیں کہہ رہی تھی۔ اچھا ہوا جو آپ نے خود ہی بات چھیڑ لی۔"

"عفت پلیز، میرے متعلق ایسی کوئی بات نہ سوچنا۔"

"مگر کیوں آپی؟"

"میرے لئے ایک ہی تجربہ بہت ہے۔"

"کوئی ضروری تو نہیں ایک تجربہ غلط ہو جائے تو دوسرا بھی غلط ہی ہو۔ انسان کو اچھے کی امید رکھنی چاہیے۔"

"تم جانتی ہو۔ میں کسی کو کچھ نہیں دے سکتی پھر بھی۔؟" اس نے حیرت سے سوال کیا۔

"ہاں پھر بھی۔ کیونکہ تنہا زندگی گزارنا بہت مشکل ہے۔ قدم قدم پر امتحان اور آزمائشوں سے گزرنا پڑتا ہے عورت کو۔" وہ بڑے مدبرانہ انداز میں سمجھانے لگی۔

"کوئی مشکل نہیں ہوتی۔ اور پھر میں تنہا کہاں ہوں۔ تائی اماں ہیں۔ کل کو عامر کے بچے ہوں گے۔ اور ہو سکتا ہے کبھی عمیر بھی اپنی فیملی کو لے کر یہیں واپس آجائے۔ دیکھنا کتنی رونق ہو جائے گی اس گھر میں پھر سے۔" وہ جیسے چشم تصور سے یہ سب دیکھ رہی تھی۔ اک خوبصورت سی مسکان بکھر گئی تھی اس کے چہرے پر۔

"یہ سب دل بہلانے کی باتیں ہیں آپی۔ زندگی اتنی آسودگی سے کبھی بھی نہیں گزرتی جس طرح ہم تصور کرتے ہیں۔"

"تم کچھ بھی کہو۔ لیکن پلیز عفت! میں آئندہ اس موضوع پر کبھی بات نہیں کرنا چاہتی۔ اسے یہیں ختم کرو۔" اس کا لہجہ اس قدر خشک اور حتمی تھا کہ وہ مزید کچھ کہنے کی ہمت ہی نہ کر سکی۔ اور پھر تائی اماں نے بھی کوئی بات نہ کی تو وہ مطمئن ہو گئی۔ اور زندگی کے دن معمول کی رفتار سے گزرنے لگے۔

*_*_*

وقت کتنی خاموشی مگر کس قدر تیزی سے گزرا تھا کہ احساس تک نہ ہوا تھا۔ اسے یہاں واپس آئے بھی دو سال ہو گئے تھے۔ اس دوران کئی چھوٹی بڑی تبدیلیاں آئی تھیں۔ لیکن سب سے اہم یہ تھی کہ عامر اسپیشلائزیشن کرنے انگلینڈ چلا گیا تھا۔ لیکن اس کی روانگی سے پہلے اس نے اس کی منگنی کر دی تھی۔ اور اس کا انتخاب خالہ کی سب سے چھوٹی بیٹی روحی تھی۔ خالہ بے حد خوش تھیں۔ اور وہ ان سے بھی زیادہ خوش تھی کہ عامر اس کے انتخاب پر بخوشی رضامند ہو گیا تھا۔

عفت وغیرہ میں سے کوئی ایک دو دن رہنے آجاتی تو کچھ رونق ہو جاتی۔ مگر ان کے جانے کے بعد پھر وہی تنہائی۔ اس روز بھی وہ کیاری کے پاس کرسی بچھائے بیٹھی تھی۔ بیرونی دیوار پر لگی بیل گلابی رنگ کے پھولوں سے لدی پڑی تھی لیکن دل میں خزاں نے ڈیرہ ڈال رکھا تھا۔ عجیب سی اداسی اور یاسیت نے ہر شے کو گھیر رکھا تھا۔ جانے کیوں آج احساس تنہائی پہلے سے زیادہ شدید ہو رہا تھا۔ دل کے اکیلے پن کا احساس بڑھتا ہی جا رہا تھا۔

وقت بھی کیا شے ہے۔ ہر چیز کو تبدیل کر دیتا ہے۔ خوبصورت لمحوں کو ماضی کی کربناک یادوں میں ڈھال دیتا ہے۔ اس نے سر کرسی کی پشت سے لگا کر آنکھیں موند لیں۔ اک سوبر سا وجود آنکھوں کے پار آن کھڑا ہوا۔ درد کا احساس بیدار ہوا تو آنسو بند پلکوں کو بھگونے لگے۔

*_*_*

رمضان المبارک کے بابرکت مہینے کا اپنی بے پایاں رحمتوں سمیت نزول ہوا تو وہ پورے خشوع خضوع سے عبادت میں مصروف ہو گئی۔ پورے عقیدت واحترام سے سحر وافطاری کا اہتمام کرنا۔ نمازیں، تراویح دن میں کئی بار تلاوت قرآن پاک۔

دن گزرنے کا پتا ہی نہ چلتا۔ ذکر الٰہی سے دلوں میں تو ایمان کی روشنیاں پھیلتی ہی تھیں۔ فضا میں بھی چاروں طرف اک مقدس سی مہک بکھری ہوئی محسوس ہوتی۔

اس مبارک مہینے میں خدا بندے کے کس قدر قریب ہو جاتا ہے کہ عبادت کے سوا کسی اور کام میں دل ہی نہیں لگتا۔ اس وقت بھی وہ قرآن پاک کی تلاوت کر کے اسے جزدان میں لپیٹ رہی تھی کہ اطلاعی گھنٹی بج اٹھی۔ تائی جان محلے میں ہی کسی کے ہاں میلاد میں شرکت کرنے گئی ہوئی تھیں۔

اس نے رحل اور قرآن پاک الماری کے سب سے اوپر والے خانے میں رکھا اور دروازہ کھولنے آ گئی۔

"عمیر تم...!" دروازہ کھول کر وہ جہاں کھڑی تھی وہیں جم گئی۔ دل یکبارگی دھڑکا تھا۔ اس کے تو تصور میں بھی نہ تھا کہ سامنے وہ ہوگا۔ لیکن ہاں سامنے وہی کھڑا تھا۔ براؤن پینٹ اور سفید شرٹ میں ملبوس۔ ایک ہاتھ میں اٹیچی کیس، دوسرے میں بیگ اور ساتھ دو خوبصورت سی بچیاں۔

"عمیر! مجھے کسی طور یقین نہیں آ رہا کہ تم یوں بنا اطلاع کیے اچانک ہی آ گئے ہو۔" ان کے اندر آنے پر اس نے دروازہ بند کر کے ان کے پیچھے آتے ہوئے بے یقینی سے کہا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس اچانک خوشی اور اپنی حیرت کا اظہار کیسے کرے۔

"اماں کدھر ہیں؟" اس نے برآمدے میں کھڑے ہو کر بے تابی سے ادھر ادھر نظر دوڑا کر پوچھا۔

"میں ابھی انہیں اطلاع کرتی ہوں۔ نزدیک ہی کسی کے گھر گئی ہیں۔"

"یہ انعم اور یہ زارا ہے۔" اس نے تخت پر بیٹھتے ہوئے بچیوں کی جانب اشارہ کیا۔

"میں جان چکی ہوں۔ ویسے بھی تصویریں دیکھ رکھی ہیں۔ ماشاء اللہ بہت پیاری ہیں۔" اس نے انہیں پیار کرتے ہوئے بشاشت و ملائمت سے کہا۔ وہ دونوں اپنی نیلی نیلی آنکھوں میں دنیا بھر کی معصومیت لیے حیرانگی سے ادھر ادھر دیکھ رہی تھیں۔

"بیٹا! یہ آپ کا گھر ہے۔ جاؤ کھیلو۔" اس نے صحن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تو وہ دونوں کیاری میں لگے رنگ برنگے پھولوں پر اڑتی پھرتی تتلیوں کو پکڑنے لگیں۔

"کیسی ہو صبا۔" اس نے بڑی بھرپور گہری نظر سے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"ٹھیک ہوں۔ تم کیسے ہو۔"

"میں بھی ٹھیک ہوں۔" اس نے گہری سانس خارج کی اور جہاں بھر کی تھکن اس کے لہجے میں اتر آئی۔

وہ جب یہاں تھا تو باہر سے ایسے ہی مایوس و تھکا ہوا آتا تھا۔ اور تب اس کا کتنا دل چاہتا تھا اس کی ساری تھکن کو اپنی انگلیوں کی پوروں میں سمیٹ لے۔ اس کے گھنے بالوں میں اتنی نرمی سے انگلیاں پھیرے کہ وہ سکون سے آنکھیں موند لے۔ اور اس کی ساری تھکن دور ہو جائے۔

"بہت تھکے ہوئے ہو۔" کتنی ہی دیر بعد اس نے پوچھا۔

"ہاں... بہت لمبا سفر طے کر کے آیا ہوں۔"

"چلو۔ سفر تمام تو ہوا۔"

"ہاں تمام تو ہوا لیکن بغیر منزل کے۔" اس کے چہرے پر دکھ اور آواز میں سچائی تھی۔ ہاں مگر لہجہ بہت شکستہ تھا۔

"تم روزے سے ہو۔" معاً اسے خیال آیا۔

"نہیں۔" اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"ٹھیک ہے۔ تم تب تک فریش ہو جاؤ۔ میں تمہارے لیے چائے بناتی ہوں۔"

"میں روزے سے نہیں ہوں۔ لیکن روزہ دار کا احترام کرنا جانتا ہوں۔ تم رہنے دو۔" اس نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"احترام اپنی جگہ۔ لیکن تم اتنی دور سے تھکے ہارے آئے ہو۔ تمہاری چائے بنانے سے میرے روزے پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ میرا عقیدہ و ایمان بہت مضبوط ہے۔"

اس نے مسکرا کر کہا تو وہ بیگ کی زپ کھولنے لگا۔

Scanned with CamScanner

اور وہ کچن میں آگئی۔ چائے کا پانی رکھا۔ اور تائی اماں کو فون کرنے لگی۔

*_*_*

"چینی کتنی لو گے۔؟"

"جتنی پہلے لیتا تھا۔"

"اتنے سالوں میں تم میں چینج نہیں آیا۔"

"چینج دوسری باتوں میں بھلے ہی آیا ہو لیکن ٹیسٹ میں نہیں آیا۔ ٹیسٹ آج بھی ویسا ہی ہے۔" وہ اس کے سلونے چہرے کو دیکھتے ہوئے بولا۔

"اچھا یہ بتاؤ۔ ان کی ماں کدھر ہے۔ کیا وہ بھی ان ننھی پریوں جیسی خوبصورت ہے۔" اس نے بڑے اشتیاق سے پوچھا۔

"ہاں ایسی ہی خوبصورت مگر بے حد سنگدل۔"

"کیا مطلب؟" وہ اس کے لہجے کی آزردگی پر ٹھٹکی۔

"میں اسے ہمیشہ کے لئے چھوڑ آیا ہوں صبا۔"

"مگر کیوں۔ ایسا کیا ہو گیا تھا۔ اور تم نے ہمیں بتایا ہی نہیں۔" وہ افسردگی سے پوچھنے لگی۔

"وہ آزاد ملک کی آزاد لڑکی تھی۔ میں اسے پابند نہ کر سکا۔" اس نے دو جملوں میں داستان مکمل کر دی۔

"بہت برا کیا تم نے عمیر۔ تم مرد لوگ ہمیشہ عورت سے ہی قربانی کیوں مانگتے ہو۔ عورت کو ہی کیوں جھکانا چاہتے ہو۔ ضد میں آکر تم نے اپنا گھر خراب کر لیا۔" اسے حقیقتاً برا لگا تھا۔

"ضد میں آکر نہیں۔ غیرت میں آکر۔" اس نے صفائی پیش کی۔

"تمہیں پہلے نہیں پتا تھا۔ وہ مغرب کی بیٹی ہے۔ تم نے اسے دیکھ کر جان کر ہی تو شادی کی تھی۔" وہ شاید اس کی بات سے اتفاق نہ کر سکی تھی۔

"تم اپنی سوچ میں حق بجانب ہو۔ لیکن تم حقیقت نہیں جانتی ہو۔ پتا ہے مجھے شبیر ماموں نے بلوایا ہی اس لئے تھا کہ وہ مجھے اپنا داماد بنا لیں۔ لیکن جب جینٹ مجھ سے ملی اور اسے شبیر ماموں کے ارادے کا علم ہوا تو اس نے اک ہنگامہ کھڑا کر دیا۔ اس کی دوستی اک اٹالین لڑکے سے تھی۔ اور وہ شبیر ماموں کے ہاتھوں سے پوری طرح نکل چکی تھی۔ لہٰذا اس نے اگلے چند دنوں میں ہی اپنے بوائے فرینڈ سے شادی کر لی۔ شبیر ماموں نے مجھے جس مقصد کے لئے بلوایا تھا۔ وہ کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔ سو انہوں نے مجھ سے پوری طرح کنارہ کشی کر لی۔ اور میں دیار غیر میں بے یار و مددگار تلاش روزگار کے لئے بھٹکنے لگا۔

جینٹ کی شادی چند ماہ بھی قائم نہ رہ سکی۔ اور وہ طلاق لے کر واپس آگئی۔ کچھ دنوں بعد اس کی اتفاق سے مجھ سے ملاقات ہوئی۔ اور پھر تو وہ روز میرے پاس آنے لگی۔ وہ مجھ سے شادی کرنا چاہتی تھی۔ میں نے اسے بہت منع کیا۔ لیکن اس کا کہنا تھا کہ میں اس کا آئیڈیل بن گیا ہوں۔ وہ میری محبت میں اس حد تک ڈوب چکی تھی کہ خود کو مکمل طور پر میری پسند میں ڈھالنے کی کوشش کرتی تھی۔ اور یہیں مجھے غلط فہمی ہو گئی کہ اس کی شخصیت سچ مچ بدل گئی ہے۔ وہ ایک ہی ٹھوکر سے سنبھل گئی ہے۔ اور اب اگر میں چاہوں تو ایک انسان ایک زندگی اور تہذیب کو سنوار سکتا ہوں۔ سدھار سکتا ہوں۔ اک مسلمان نسل کو سیدھی راہ دکھا بلکہ اس پر چلا سکتا ہوں۔

اور بس اسی جذبے نے مجھ سے فیصلہ کروا دیا۔ ویسے بھی میں اس دوران بہت ٹھوکریں کھا چکا تھا۔ وہ وہ کام کئے تھے جس کا یہاں پر کوئی ماسٹرز ڈگری ہولڈر تصور بھی نہیں کر سکتا۔

سو ان تمام حالات کے پیش نظر میں نے اس سے شادی کر لی۔ مگر شادی کے چند ماہ بعد ہی وہ اپنی پرانی ڈگر پر واپس آگئی۔ مجھ سے محبت کا نشہ پوری طرح اتر چکا تھا۔ بوائے فرینڈز' کلب' رات گئے تک باہر رہنا۔ پہلے پہل تو میں برداشت کرتا رہا۔ میرا خیال تھا کہ بچے کی پیدائش کے بعد وہ ٹھیک ہو جائے گی اور پھر ایک ساتھ دو بچیوں کی پیدائش ہوئی تو میری امید بندھ گئی۔ مگر اسے تو کوئی فرق نہ پڑا۔ میں نے بہت صبر کیا۔ لیکن اب بچیاں بڑی ہو رہی تھیں۔ اور بچے اپنے اردگرد کے ماحول سے ہی سیکھتے اور اثر لیتے ہیں۔

اب اس کی سرگرمیاں میرے لئے ناقابل برداشت تھیں۔ میں اسے سمجھاتا رہا۔ شبیر ماموں نے

Scanned with CamScanner

بھی کوشش کی۔ لیکن وہ بہت ہٹ دھرم تھی۔ میں نے دھمکی دی کہ یا اپنی عادتیں بدل لو یا مجھے چھوڑ دو' اور اس نے حیرت انگیز طور پر مجھے چھوڑ دیا۔"

اس نے پوری تفصیل بتا کر اس کی طرف دیکھا کہ وہ کہاں غلط تھا۔

"لیکن تم دونوں کے اختلافات نے بچوں سے ان کی ماں کی محبت تو چھین لی ناں۔"

اس نے ان معصوم سی بچیوں کو دیکھ کر افسردگی سے کہا۔

"اس کی محبت کا اندازہ اس بات سے لگالو کہ بچیاں اس نے مجھے خود دی ہیں۔ یہ کہہ کر کہ وہ انہیں اپنے پاؤں کی زنجیر نہیں بنانا چاہتی۔"

عمیر کے لہجے میں بھی دکھ اتر آیا۔

"پھر تو تم حق پر ہو۔" وہ اسے آزردہ دیکھ کر بولی۔

"تو تم نے کیا سمجھا تھا۔ میں بھی ان پاکستانیوں میں سے ہوں جو باہر جا کر اپنا مقصد پورا کرنے کے لئے شادی کے مقدس فریضے کو استعمال کرتے ہیں۔ اور مقصد پورا ہو جانے پر انہیں بچوں کا تحفہ دے کر لوٹ آتے ہیں۔ تم نہیں جانتیں۔ اپنی قوم کو کتنا بے اعتبار کر دیا ہے ان چند پاکستانیوں نے۔ میں تو ایسا سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ بخدا میں نے صدق دل سے اس سے شادی کی تھی اور نبھانے کی بھی ہر ممکن کوشش کی۔ مجھے اپنے وطن اور سب سے بڑھ کر اپنے مذہب کا امیج خراب نہیں کرنا تھا۔ اور پھر عورت کو شادی کے نام پر دھوکا دینا انتہائی نیچ اور گھٹیا حرکت ہے۔ میرے لئے ہر عورت قابل احترام ہے۔ خواہ وہ کسی بھی خطے اور کسی بھی مذہب سے تعلق رکھتی ہو۔ اور شادی کا بندھن خواہ مجبوری میں باندھا گیا ہو یا دل کی خوشی سے۔ بہرحال ایک مقدس فریضہ ہے۔ لیکن صبا! میری رگوں میں مشرقی اور غیرت مند خون دوڑتا ہے۔ میں اپنی معصوم بچیوں کی پرورش اس ماں کی گود میں کیسے ہونے دیتا جو خود رات گئے کلب میں عیاشیاں کرنے والی ہو۔ بس یہیں آکر میری برداشت اور مصالحت کی تمام حدیں ختم ہو گئیں۔ اور میں نے اسے طلاق دے دی!" وہ دل کے تمام درد اس کے سامنے کھول بیٹھا تھا۔

"زندگی میں کچھ پانے کے لئے کچھ کھونا تو پڑتا ہے۔ تم یہاں سے جو خواب لے کر گئے تھے۔ چلو ان میں سے کچھ تو پورے ہوئے۔" وہ غالباً اسے تسلی دلاسا دینا چاہتی تھی۔

"میں اپنے ساتھ صرف اپنے فرائض اور ذمہ داریوں کا احساس لے کر گیا تھا۔ خواب تو سارے یہیں چھوڑ گیا تھا۔ اسی آنگن میں۔" اس نے ادھر ادھر نظر دوڑائی۔ جیسے اب بھی وہ یہیں کہیں موجود ہوں۔

--*

عمیر کی آمد کی اطلاع پاتے ہی وہ سب ہی پہنچ گئی تھیں۔ گھر میں اک ہنگامہ سا برپا ہو گیا تھا۔ افطاری کا وقت ہونے کو تھا۔ وہ عفت اور فرحت کے ساتھ کچن میں مصروف ہو گئی۔ سب اکٹھے ہو گئے تھے۔ لہٰذا وہ کھانے پر خاص اہتمام کرنا چاہتی تھی۔ اس پر تائی اماں بار بار بیٹے کی پسند بتا رہی تھیں۔ ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اس کی پسند کے تمام کھانے آج ہی بنا ڈالیں۔ ویسے بھی ان سب کے شوہر ساتھ تھے۔

پلاؤ کو دم لگا کر اس نے بڑے کمرے میں دسترخوان بچھایا۔ اور افطاری کا سامان رکھنے لگی۔

افطاری کے بعد نماز سے فارغ ہو کر آمنہ چائے بنانے چلی گئی تو عمیر نے اٹیچی کیس کھولا اور ان کے لئے لائے ہوئے تحائف بانٹنے لگا۔ ہنسی مذاق کے دوران چائے پی گئی۔

اپنی چائے ختم کر کے وہ بڑے کمرے میں آگئی۔ سینٹر ٹیبل سائیڈ پر رکھی۔ اور زمین پر بستر لگا دیئے۔ لیکن ابھی سونے کا ارادہ کسی کا بھی نہ تھا۔ شوہر حضرات تو کھانے کے بعد واپس جا چکے تھے۔ لہٰذا وہ سب بچوں کو سلا کر پھر عمیر کے گرد بیٹھی تھیں۔ کچھ اپنی سنا رہی تھیں کچھ اس کی سن رہی تھیں۔ اور پھر تو محفل نہ جانے کب تک جمی رہی۔ البتہ وہ تھکن کے باعث سونے کی نیت سے اپنے کمرے میں آگئی۔

اور ادھر نجانے کیا کیا مذاکرات ہوتے رہے۔

--*

آخری روزہ افطار کر کے وہ چھت پر آگئی۔ گو کہ

Scanned with CamScanner

اب تو برسوں سے رویت ہلال کمیٹی ٹی وی پر ہی چاند نظر آنے کی نوید سناتی تھی۔ لیکن پھر بھی اک شوق، اک جستجو اور خوش کن احساس ہوتا ہے کہ ہر کوئی چاند کو تلاش کرنے کے لئے آسمان پر نظریں ضرور دوڑاتا ہے۔ اور آج تو ویسے بھی تیسواں روزہ تھا۔ چاند کا نکلنا یقینی تھا۔ سو وہ اوپر آگئی اور آسمان پر نظریں دوڑانے لگی۔ اور یہ اس کی خوش قسمتی تھی کہ باریک سے شرمائے لجائے سے ہلال عید نے اسے اپنی جھلک دکھا دی۔

اس نے دونوں ہاتھ دعا کے لئے اٹھا لئے۔ اور آنکھیں موند کر پوری سچائی اور خشوع و خضوع سے سب کی خوشیوں اور سلامتی کی دعا مانگنے لگی۔ اور جانے کیا ہوا کہ آنکھوں میں ڈھیر سارا نمکین پانی اتر آیا۔ اردگرد بہت سے اپنے ہونے کے باوجود زندگی میں اک کمی سی محسوس ہو رہی تھی۔ دل کے خالی پن کا احساس اس شدت سے جاگا تھا کہ آنسوؤں سے پلکیں بھیگنے لگی تھیں۔

"اپنی دعاؤں میں مجھے بھی یاد رکھنا۔" عمیر کی آواز قریب سے ابھری تو اس نے آنکھیں کھول دیں۔

"چاند مبارک ہو۔" وہ مسکرا کر بولا۔

"تمہیں بھی۔" اس نے آنکھیں رگڑیں۔

"پوچھ سکتا ہوں، اس مبارک گھڑی میں تمہاری آنکھیں کیوں بھیگ رہی ہیں۔" وہ اس کی آنکھوں میں جھانک کر استفسار کرنے لگا۔

"اس کا جواب تو شاید میرے پاس بھی نہیں ہے۔ بعض اوقات ہم اپنے احساسات کو نہیں سمجھ سکتے۔"

"ہاں یہ تو ہے۔" اس نے تائید کی۔ اور آسمان کی وسعتوں پر نظریں جما دیں۔ جہاں چاند اپنی جھلک دکھا کر غائب ہو چکا تھا۔ اور جا بجا ننھے ستارے ٹمٹما رہے تھے۔

"صبا۔ آؤ اس چاند رات کو ہمیشہ کے لیے مل کر یادگار بنا دیں۔"

"عمیر پلیز۔"

"میں ٹھیک کہہ رہا ہوں صبا! باقی سب کے ساتھ ساتھ یہ میری بھی خواہش ہے۔"

اور گھر میں عمیر کے آنے کے بعد سے جو کھچڑی پک رہی تھی۔ اس کی مہک اس تک بھی پہنچ گئی تھی۔ اور پھر ایک روز آمنہ نے اس سے ذکر بھی کر دیا تھا۔ لیکن اس نے صاف منع کر دیا اور یقیناً" یہ انکار عمیر تک بھی پہنچ گیا تھا۔ شاید اسی لئے وہ خود اس سے بات کر رہا تھا۔

"تمہارے درمیان کبھی لفظ نہیں آئے۔ لیکن اس کے باوجود میں اتنے ہی وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ کبھی میں تمہارے دل کی اولین خواہش تھا جتنے وثوق اور یقین سے تم میرے بارے میں کہہ سکتی ہو۔ سچے جذبے لفظوں کے محتاج کبھی بھی نہیں ہوتے ہیں۔ صرف ایک گواہی بنتے ہیں۔ اور ہمیں ہمارے حالات نے اتنی اجازت ہی نہ دی کہ لفظوں کو گواہی بنا سکیں۔ مجھے خوشی ہے کہ ہم نے اپنے اپنے حالات کو قبول کرتے ہوئے اپنی زندگی سے جڑنے والے نئے رشتوں کو خلوص دل اور نیت کی تمام تر سچائی سے قبول کیا تھا۔ لیکن شاید وہ ہمارے لئے نہیں تھے۔

جنہوں نے استعمال کیا وہ جانتے ہیں،
سوہنی ہیئر آئل کی خوبیاں،
گرتے بالوں کو روکتا ہے۔
بال لمبے اور گھنے کرتا ہے۔
بالوں کو مضبوط اور چمکدار بناتا ہے۔
سوہنی ہیئر آئل
قیمت/60 روپے
کیا آپ نے اسے استعمال کیا؟ نہیں
تو ایک دفعہ استعمال کر کے دیکھیں،
ملنے کا پتہ
۳۷، اردو بازار کراچی

Scanned with CamScanner

تبھی تو بیچ راہ ساتھ چھوڑ گئے۔ شاید ہمارے ملن کے پس منظر میں یہ سب ایسے ہی لکھا تھا۔"

وہ بڑی وارفتگی اور بڑی چاہ سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"لیکن عمیر! تم نہیں جانتے میں۔ میں اب تمہیں۔!" وہ کہتے کہتے رک گئی۔

"میں سب جانتا ہوں۔ عفت اپنے ہر خط میں تمہاری ایک ایک بات لکھا کرتی تھی۔ میں کسی بھی لمحے تم سے اور تمہارے حالات سے بے خبر نہیں رہا۔"

"پھر بھی تم مجھے اپنانا چاہتے ہو۔ تمہیں مجھ سے کہیں بہتر لڑکی مل سکتی ہے۔" وہ آہستگی سے بولی۔

"محبتوں میں درجے نہیں ہوتے صبا۔ میرے لئے کل بھی تم ہی بہترین تھیں۔ آج بھی تم بہترین ہو۔ پلیز اب انکار مت کرنا۔ بہت طویل، بڑی کٹھن مسافت طے کر کے آیا ہوں۔" اس نے بڑی چاہ سے التجا کی۔

سفید شلوار قمیص پر سیاہ ویسٹ کوٹ پہنے وہ بڑی آس سے اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ داستان جو اب تک ان کہی تھی اور جسے صرف دلوں نے محسوس کیا تھا۔ اپنی تمام تر سچائیوں سمیت عمیر کی آنکھوں میں تحریر تھی۔

اس کا لہجہ اتنا ٹھہرا ٹھہرا تھا کہ وقت بھی ٹھہر گیا۔ ساعتیں ساکت ہو گئی تھیں۔ خوبصورت سلونی شام پر کسی نے فسوں پھونک دیا تھا۔ دل کی ویران خاموش اور سنسان گلیوں میں جہاں عرصہ دراز سے بے مراد دعائیں ادھوری خواہشیں اور تھکی ہوئی تمنائیں سستا رہی تھیں۔ بس محبتوں کی آہٹیں سنائی دینے لگیں۔

خواب جو تعبیر کی حسرتیں اوڑھے سو گئے تھے۔ کسمسا کر بیدار ہونے لگے۔ تھکی ہاری بے چاری سی نحیف و بے بس وفاؤں کے چراغ جو نامہربان ہواؤں کی شدتوں سے بجھنے کے قریب تھے ان کی لو ایک بار پھر پوری توانائی سے جھلملا اٹھی تھی۔

"کیا سوچنے لگیں صبا؟" کتنی ہی دیر اس کے جامد و ساکت ہونٹوں کی جنبش کا منتظر رہنے کے بعد بالآخر اس نے مزید انتظار کی تاب نہ لاتے ہوئے پوچھ لیا۔

"تم نے ہی نہیں میں نے بھی بہت طویل مسافت طے کی ہے عمیر۔ آؤ اپنی تھکن بانٹ لیں۔" بے اختیار ہوتے دل کی خواہشوں کو اس نے زبان دے دی کہ دل کی پناہوں میں تو اس نے بھی صرف اسی ایک تمنا کو پالا تھا۔ سینت سینت کر رکھا تھا۔

"سچ صبا!" وہ بے حد خوش ہو گیا۔

"شاید ہماری قسمت میں اسی طرح ملنا لکھا تھا۔ جدائی بہت طویل تھی۔ رستے الگ الگ تھے۔ سفر دشوار تھا۔ مگر منزل ایک ہے۔ لیکن اب صرف محبتیں اور وفائیں ہماری میراث ہوں گی۔ آؤ اک دوجے کی پناہوں میں تھوڑا سا سستا لیں کہ زندگی بہت محدود ہے۔ اس مختصر مدت میں جتنی محبت بانٹ سکیں کم ہے۔" عمیر نے محبتوں کی شدتوں سے چور چور لہجے میں کہتے ہوئے اپنا ہاتھ اس کی سمت بڑھا دیا۔

"میں ہر قدم، ہر پل تمہارے ساتھ ہوں عمیر!" اس نے دل کی گہرائیوں سے کہتے ہوئے اپنا نرم و نازک ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے دیا۔ کہ تکمیل کا وہ لمحہ جو بہت پہلے چشم تصور سے دیکھا کرتی تھی۔ آج اچانک آسمان کی وسعتوں سے روئے زمین پر اتر آیا تھا۔ پھر وہ کیوں نہ اسے شرف قبولیت بخشتی۔

اور جب منزل حسب پسند مل جائے تو راہ کی تمام صعوبتیں بھول جاتی ہیں۔ تبھی تو وہ دونوں اک پل میں سب کچھ بھلا کر چاند رات کی رونقوں سے لطف اندوز ہونے نکل گئے تھے۔ آخر امریکہ میں پیدا ہونے والی بچیوں کو چوڑیوں اور مہندی کی روایت سے بھی متعارف کروانا تھا۔ اور اس خوشی کے موقع پر تائی اماں بڑی آسودگی سے شیر خورمے اور سویوں کے لئے پستے بادام کترتے ہوئے ان کی خوشیوں کے دائمی ہونے کی سچے دل سے دعا گو تھیں کہ بڑے عرصے بعد ان کے آنگن میں بہار آئی تھی۔

★

Scanned with CamScanner

Read

MoreNovels

at

Urdu Novel Bank

Visit: www.urdunovelbanks.com to start your next reading adventure